ماہنامہ
مئی 2026ء

طلوعِ اسلام

لاہور
اشاعت کا بیاسی واں سال

قرآنی نظامِ
ربوبیت کا
پیامبر

لَا نَبِيَّ بَعْدِي (الحدیث)

حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے

علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ
کی خواہش پر 1938ء سے شائع
ہونے والا ماہنامہ

ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغِ بے نیام
(علامہ اقبالؒ)

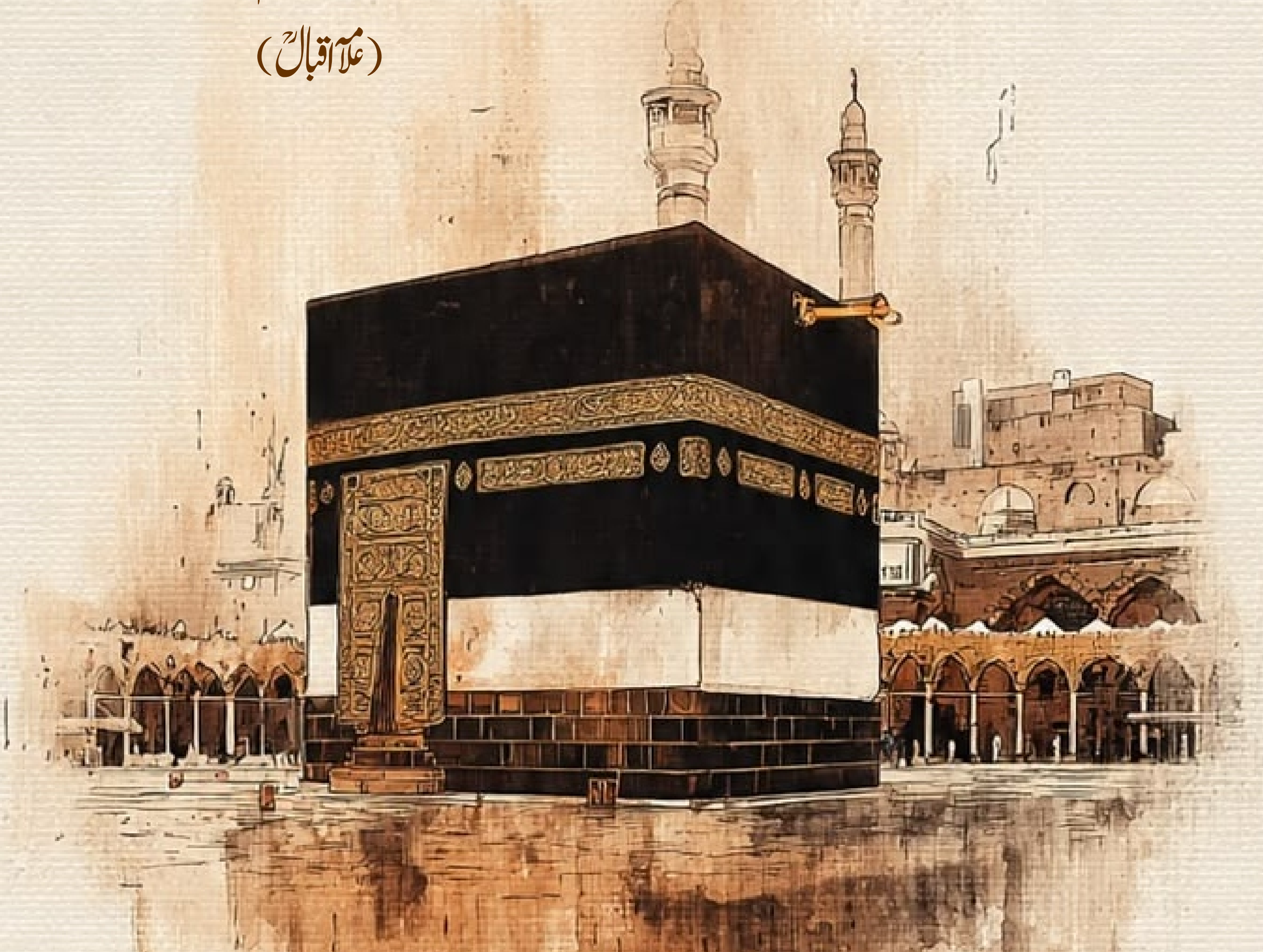

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مذہب اور دینِ اسلام کا تقابلی جائزہ

یورپ نے غالباً مانی کے عقیدے سے روح کو مادہ کی ثنویت کا خیال اخذ کیا اور بلا تنقید اسے قبول کر لیا۔ اسی نظریہ کی بنیاد پر انہوں نے مذہب (Religion) اور سیاست (State) کی ثنویت کا تصور پیش کیا۔ قرآنِ کریم میں مذہب کا لفظ ہی کہیں نہیں آیا۔ اس لئے اسلام کو مذہب نہیں بلکہ قرآن کے دیئے ہوئے دین کے نام سے پکارنا چاہئے۔ اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ (3:19)۔

دینِ اسلام	مذہب
دین اجتماعی نظامِ زندگی اور خارجی حقیقت ہے۔	1- مذہب، خدا اور بندے کے درمیان پرائیویٹ تعلق اور داخلی تجربہ کا نام ہے۔
دین میں معاشرہ کا انداز اور آئین بتا سکتے ہیں کہ وہ قوانین خداوندی کے مطابق متشکل ہوا ہے یا نہیں۔	2- مذہب میں ہر فرد اپنے طور پر مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس کا خدا کے ساتھ رشتہ قائم ہو گیا ہے۔
دین کا مقصود عالمگیر انسانیت کی فلاح و بہبود ہوتا ہے۔	3- مذہب میں ہر فرد کا منتہیٰ اپنی اپنی نجات ہوتا ہے۔
دین میں اجتماعی زندگی کے نتائج ساتھ کے ساتھ بتاتے چلے جاتے ہیں کہ ملت صحیح راستے پر چل رہی ہے یا نہیں۔	4- مذہب میں کوئی خارجی معیار ایسا نہیں ہوتا جس سے پرکھا جا سکے کہ انسان کے اعمال صحیح نتائج پیدا کر رہے ہیں یا نہیں۔
دین میں تفرقہ کو شرک کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ پوری نوعِ انسانی سے مخاطب اور اس کا رب، رب العالمین اور رسول رحمۃ للعالمین کا مقام رکھتے ہیں۔	5- مذہب انسان کو مختلف فرقوں میں تقسیم کر دیتا ہے اور اس میں ہر فرقہ اپنے آپ کو حق پر سمجھ کر خوش ہوتا ہے۔
دین، انہیں حقائق کے پیچھے چلاتا ہے اور ان کے سطحی جذبات کی تسکین کی بجائے ان پر قابو پانے کی تعلیم یوں دیتا ہے۔ زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز	6- مذہب عوام کے جذبات کے پیچھے چلتا ہے اور ان کی تسکین کا سامان فراہم کئے چلا جاتا ہے۔ اس لئے اس کی تعلیم یہ ہے۔ زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز
دین خوف کو شرک قرار دیتا ہے اور انسان کے دل کو جرأت اور بے باکی کا مسکن بناتا ہے۔	7- مذہب انسان کے دل میں ہر وقت خوف پیدا کرتا رہتا ہے اور اپنی ہر بات ڈر سے منواتا ہے۔

بقیہ صفحہ نمبر 58 پر

ماہنامہ
طلوعِ اسلام
لاہور
مئی 2026ء

جلد 79 | شمارہ نمبر 05

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات: عشق کی اِک جست	سلیم اختر	4
(2) یتیم نواسوں اور پوتوں کی وراثت		6
استقبالیہ وخراجِ عقیدت	خورشید انور (چیئرمین ادارہ)	8
قرآن کس طرح انسانی کوشش اور وقت بچاتا ہے	خورشید انور (چیئرمین ادارہ)	10
قانونِ مکافاتِ عمل کس طرح انسانی کاوشوں اور توانائیوں کو بچاتا ہے	ڈاکٹر اعجاز رسول، گلاسگو	18
کائنات کا اٹل قانون اور انسانی رویے	ڈاکٹر طاہرہ اکرم، یو ایس اے	22
انسانی سماجی ارتقاء اور قرآن کریم (تقریر کی تلخیص)	شکیل مغل، لاہور	24
تصویری جھلکیاں	ادارہ	26
قرآن کس طرح انسانی کوشش اور وقت بچاتا ہے	آمنہ لطیف، لاہور	35
ق و م	لغات القرآن	38
صراطِ مستقیم	تبویب القرآن	43
خدا کا قرآنی تصور	محمد انوار خان، اسلام آباد	46

ENGLISH SECTION

FROM RITUAL TO SERVITUDE: THE TRUE MEANING OF LABBAIK	AFIA FAROOQI	57

چیئرمین: خورشید انور

مجلسِ ادارت
ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر اعجاز رسول
اقبال ادریس ایڈووکیٹ

مدیر انتظامی: محمد سلیم اختر

قانونی مشیر: ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

ادارہ کا مضمون نگار کی تحریر سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں۔

زرِ تعاون: 100 روپے فی پرچہ
پاکستان: 1200 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: 1500 روپے سالانہ

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ 2، لاہور 54660، (پاکستان)
Phone: 042-35714546
Cell: +92 310-4800818
Cell: +92 318 2221851
idarati@gmail.com
www.facebook.com/Talueislam

Bank Account Idara Tolu-e-Islam
National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulbarg Lahore

For Domestic Transactions	For International Transactions
Bank A/C No: 0465004073177672	IBAN:PK36NBPA0465004073177672 Swift Code: NBPAPKKAA02L

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

ناشر: عرفان راٹھور — اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

طلوعِ اسلام

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کرسکتا ہے اُس کے زورِ بازو کا!
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
ولایت، پادشاہی، علم اشیا کی جہاں گیری
یہ سب کیا ہیں، فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں
براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنالیتی ہے تصویریں
تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیّت ہے
حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں
حقیقت ایک ہے ہر شے کی، خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دل چیریں
یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

چہ باید مرد را طبع بلندے، مشرب نابے
دلِ گرمے، نگاہِ پاک بینے، جانِ بیتابے

(بانگِ درا۔علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

محمد سلیم اختر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

عشق کی اِک جست

قرآنِ کریم محض تسبیح کے دانوں پر پڑھنے کا وظیفہ نہیں، بلکہ یہ کائنات کے خالق کی طرف سے وہ ''عظیم ترین صراطِ مستقیم'' ہے جو بھٹکی ہوئی انسانیت کو تجربوں کی طویل اور تھکا دینے والی وادیوں سے نکال کر براہِ راست منزلِ مقصود تک پہنچاتا ہے۔

انسانی تاریخ گواہ ہے کہ جب کبھی انسان نے وحیِ الٰہی سے کٹ کر محض اپنی عقل کے سہارے چلنے کی کوشش کی، وہ ''آزمائش اور غلطی'' (Trial and Error) کے ایک لامتناہی چکر میں پھنس گیا۔ صدیاں بیت جاتی ہیں، نظام بنتے ہیں، ٹوٹتے ہیں، نظریات جنم لیتے ہیں اور دم توڑ دیتے ہیں۔ انسان خون بہا کر، نسلیں گنوا کر اور صدیاں برباد کر کے جس نتیجے پر پہنچتا ہے، میرا رب وہ نتیجہ پہلے دن ہی بتا دیتا ہے۔

قرآن کا اعلان ہے:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ (17:9)

بیشک یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا اور مضبوط ہے

دنیا آج مختصر راستوں (Shortcuts) کی تلاش میں ہے۔ تجارت کی دنیا ہو تو ہم ''نہرِ سویز'' جیسی نہریں کھودتے ہیں تاکہ ہزاروں میل کا سفر سینکڑوں میل میں سمٹ جائے، ایندھن بچے، وقت بچے اور انسانی محنت ضائع نہ ہو۔ اگر ایک سمندری راستے کا شارٹ کٹ انسانی معیشت میں انقلاب لا سکتا ہے، تو ذرا سوچیے، زندگی کے پیچیدہ راستوں پر خالقِ کائنات کا دیا ہوا محفوظ و محکم راستہ انسانیت کے کتنے ہزار سال بچا سکتا ہے؟

1۔ عقل کی بے راہ روی سے نجات:

قرآن عقل کو ختم نہیں کرتا، بلکہ اسے ایک ''فریم ورک'' دیتا ہے۔ عقل جب بے لگام ہو تو تضادات کا شکار ہو جاتی ہے۔ قرآن اسے وہ صراطِ مستقیم دکھاتا ہے جہاں توانائی بکھرنے کے بجائے ایک مرکز پر جمع ہو جاتی ہے۔

2۔ صدیوں کا سفر لمحوں میں:

انسانی نظاموں کا ارتقاء بہت سست اور تکلیف دہ ہے۔ ہم پہلے ظلم سہتے ہیں، پھر انقلاب لاتے ہیں، پھر نیا نظام بناتے ہیں، پھر وہ ناکام ہوتا ہے۔ قرآن اس ''ضیاعِ وقت'' کو روکتا ہے۔ وہ اصول پہلے دن طے کر دیتا ہے:

✿ عدل پر سمجھوتہ نہیں ہوگا۔

✿ استحصال (Exploitation) کی گنجائش نہیں ہوگی۔

✿ انسانی تکریم حرفِ آخر ہوگی۔

✿ جب بنیادیں طے ہوں، تو تعمیر میں صدیاں ضائع نہیں ہوتیں۔

اِس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا مَیں
عشق کی اک جَست نے طے کر دیا قصّہ تمام

3۔ اصلاح کے بجائے بچاؤ (Prevention over Correction)

دنیا کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے حادثہ ہوتا ہے پھر حفاظتی اقدامات ہوتے ہیں۔ لیکن قرآن "بچاؤ" کا راستہ بتاتا ہے۔ وہ برائی کو جڑ سے پکڑتا ہے تاکہ معاشرے کو اسے ٹھیک کرنے میں اپنی توانائی اور سرمایہ برباد نہ کرنا پڑے۔ یہ انسانی محنت کی سب سے بڑی بچت ہے۔

4۔ مقصدِ حیات کی یکسوئی:

جب منزل کا پتہ نہ ہو تو ہر قدم تھکا دینے والا ہوتا ہے۔ علامہ غلام احمد پرویز علیہ الرحمہ کے فکر کے مطابق، قرآن انسان کو ایک اجتماعی مقصد (Social Purpose) عطا کرتا ہے۔ جب پوری قوم کا رخ ایک طرف ہو، تو تصادم ختم ہوتا ہے اور تعمیر شروع ہوتی ہے۔

ہماری پکار وہی ہونی چاہیے جو ہم ہر اجتماعِ صلوٰۃ میں مانگتے ہیں:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ﴿۵﴾ (1:5) (اے پروردگار! ہمیں وہ سیدھا اور مختصر ترین راستہ دکھا دے)

یہ صراطِ مستقیم وہی ہے جو انسانی محنت کو ضائع ہونے سے بچاتا ہے۔ یہ وہ شاہراہ ہے جہاں بھٹکنے کا خوف نہیں اور جہاں تھکن کے بجائے نمو ہے۔

آج سوال یہ نہیں ہے کہ کیا قرآن ہماری رہنمائی کر سکتا ہے؟ سوال یہ ہے کہ کیا ہم اپنی عقل کو اس الٰہی ڈھانچے میں ڈھالنے کے لیے تیار ہیں تاکہ ہماری انفرادی اور اجتماعی کوششیں رائیگاں نہ جائیں، بلکہ براہِ راست انسانی فلاح کی منزل تک پہنچیں۔

فکرِ پرویز علیہ الرحمہ کی روشنی میں، قرآن ایک جامد کتاب نہیں بلکہ ایک متحرک نظام ہے جو ہر دور کے چیلنجز کا سامنا کرنے کے لیے انسانیت کو مختصر ترین اور محفوظ ترین راستہ فراہم کرتا ہے۔

اسی موضوع پر ادارہ طلوعِ اسلام نے اپنا دو روزہ قرآنی کنونشن 4 اور 5 اپریل 2026 کو لاہور میں منعقد کیا۔ احباب کی آمد 3 اپریل کو شروع ہو گئی تھی۔ آخری دن 5 اپریل کو سیمینار کے بعد یہ کنونشن اختتام پزیر ہو گیا۔ آئندہ صفحات میں کنونشن کی تقاریر اور تصاویر پیش کی جا رہی ہیں۔ تقاریر اور تقاریب کی مفصل ویڈیوز سوشل میڈیا پر اپ لوڈ کر دی گئی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

2

یتیم نواسوں اور پوتوں کی وراثت

وفاقی آئینی عدالت کے حالیہ فیصلے نے پاکستان میں وراثت کے قوانین، خصوصاً بیٹی کی قبل از وقت وفات کی صورت میں اس کے ورثاء کے حقوق کے حوالے سے ایک نئی بحث چھیڑ دی ہے۔ ادارہ ''طلوعِ اسلام'' اور علامہ غلام احمد پرویز علیہ الرحمہ کا نقطہ نظر اس معاملے میں ہمیشہ سے روایتی فقہ کے مقابلے میں منفرد اور قرآنی اصولوں پر مبنی رہا ہے۔

آپ کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں، طلوعِ اسلام کے فکر کے مطابق ایک تجزیاتی مضمون درج ذیل ہے:

وراثت کا قرآنی تصور اور وفاقی آئینی عدالت کا فیصلہ: ایک شذرہ تجزیہ

اسلام کا قانونِ وراثت محض تقسیمِ دولت کا فارمولا نہیں، بلکہ ایک ایسا عادلانہ معاشی نظام ہے جو خاندان کے کسی بھی فرد کو کسمپرسی کی حالت میں چھوڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔ وفاقی آئینی عدالت کا حالیہ فیصلہ، جس میں بیٹی کے ورثاء (یتیم نواسے/نواسیوں) کے حقوق کو تکنیکی بنیادوں پر ختم کرنے سے روکا گیا ہے، قرآنی عدل وقسط کی جانب ایک مثبت قدم معلوم ہوتا ہے۔

یتیم پوتے/نواسے کا مسئلہ اور طلوعِ اسلام کا موقف

روایتی فقہی تشریحات میں ''الحجب'' (Exclusion) کے اصول کے تحت اگر بیٹا یا بیٹی باپ کی زندگی میں فوت ہو جائیں، تو ان کی اولاد (پوتے) دادا کی وراثت سے محروم کر دیے جاتے ہیں۔ غلام احمد پرویز علیہ الرحمہ نے اس تشریح کو قرآنی روح کے منافی قرار دیا تھا۔

ان کا موقف تھا کہ:

یتیم کی کفالت: قرآن یتیموں کے حقوق پر سب سے زیادہ زور دیتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک بچہ باپ کے سائے سے بھی محروم ہو جائے اور پھر اسے دادا کی جائیداد سے بھی محروم کر کے معاشی طور پر مفلوج کر دیا جائے؟

وصیت کا قانون: قرآن نے وراثت کی تقسیم سے پہلے "وصیت" کو مقدم رکھا ہے (سورۃ النساء: 11)۔ ہمارے نزدیک ریاست یا دادا پر لازم ہے کہ وہ ان ورثاء کے لیے وصیت کا اہتمام کرے جو والدین کے انتقال کی وجہ سے محروم ہو رہے ہوں۔

عقلی و معاشی استدلال: اگر بیٹی زندہ ہوتی تو وہ حصہ پاتی۔ اس کی وفات اس کے بچوں کا قصور نہیں ہے۔ لہٰذا، ان بچوں کو ان کی ماں کا وہ حصہ ملنا چاہیے جو اسے ملتا، تاکہ دولت کا ارتکاز چند ہاتھوں میں نہ رہے۔

مسلم فیملی لاز آرڈیننس 1961 اور دفعہ 4

پاکستان میں 1961 کے فیملی لاز میں دفعہ 4 کے ذریعے یتیم پوتے/نواسے کو دادا کی وراثت میں حق دیا گیا تھا۔ طلوعِ اسلام نے اس قانون کی حمایت کی تھی کیونکہ یہ پرویز صاحب کے پیش کردہ قرآنی تصورِ عدل کے قریب تھا۔ اگرچہ بعد میں اسے شرعی عدالتوں میں چیلنج کیا گیا، لیکن وفاقی آئینی عدالت کا حالیہ رخ اس بات کی تائید کرتا ہے کہ محض تکنیکی یا روایتی رکاوٹوں کی بنیاد پر کسی کے قرآنی معاشی حق کو سلب نہیں کیا جاسکتا۔

ریونیو ریکارڈ اور انتظامی ناانصافی کا خاتمہ

عدالت کا یہ کہنا کہ ''ریونیو ریکارڈ کی غلطیاں وراثت کا حق ختم نہیں کرسکتیں''، عین قرآنی حکم لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ (4:7) (مردوں اور عورتوں کے لیے ان کے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے ترکے میں حصہ ہے) کی عملی شکل ہے۔ قرآنی قوانین ''مستقل اقدار'' (Permanent Values) پر مبنی ہوتے ہیں، جو کسی پٹواری کے غلط اندراج یا تکنیکی خامی کے تابع نہیں ہوسکتے۔

طلوعِ اسلام کے نقطہ نظر سے فیصلے کی اہمیت

طلوعِ اسلام کے مطابق، وراثت کے معاملے میں اصل روح ''معقول اور منصفانہ'' (Equitable) تقسیم ہے۔ اگر بیٹی کے ورثاء کو صرف اس لیے محروم کردیا جائے کہ ان کی ماں پہلے فوت ہوگئی تھی، تو یہ اس "انصاف" کے خلاف ہے جس کا مطالبہ قرآن کرتا ہے۔

عدالت کا یہ فیصلہ درج ذیل تین بنیادوں پر اہم ہے:

عادلانہ معاشرے کی تشکیل: یہ یتیموں اور بیواؤں کے معاشی تحفظ کو یقینی بناتا ہے۔

فقہی روایات کی اصلاح: یہ ظاہر کرتا ہے کہ قانون کو وقت کے تقاضوں اور قرآنی عدل کے مطابق ڈھالا جاسکتا ہے۔

حق کی بحالی: یہ انتظامی مشینری کو پابند کرتا ہے کہ وہ وراثتی حقوق کی ادائیگی میں رکاوٹ نہ بنے۔

خلاصہ:

وفاقی آئینی عدالت کا یہ فیصلہ اس قرآنی اصول کی توثیق کرتا ہے جسے علامہ پرویز علیہ الرحمہ نے دہائیوں پہلے پیش کیا تھا کہ اسلام کا نظامِ وراثت محرومی کا نہیں بلکہ شمولیت (Inclusion) کا نظام ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس فیصلے کی روشنی میں تمام وراثتی قوانین کو ازسرِنو مرتب کیا جائے تاکہ کوئی بھی وارث، چاہے وہ یتیم پوتا ہو یا نواسا، محض کسی فقہی موشگافی یا دفتری غلطی کی وجہ سے دربدر نہ ہو۔

خورشید انور (چیئرمین ادارہ طلوعِ اسلام)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

استقبالیہ و خراجِ عقیدت

محترم خواتین و حضرات، معزز قرآنی احباب!

میں آپ سب معزز شرکاءِ کنونشن کو دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید عرض کرتا ہوں۔

خصوصی طور پر اُن احباب کا خیر مقدم کرتا ہوں جو بیرونِ ممالک سے، اور اندرونِ ملک کے دور دراز علاقوں سے اس غیر یقینی صورتحال کے باوجود اس قرآنی کنونشن میں شرکت کے لیے تشریف لائے۔ آپ کی یہ شرکت اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ فکرِ قرآن سے وابستگی محض ایک نظری وابستگی نہیں بلکہ ایک زندہ عزم اور عملی commitment ہے۔ ہم آپ سب کی آمد کو اپنے لیے باعثِ اعزاز اور موجبِ تقویت سمجھتے ہیں۔

برسی محترمہ ڈاکٹر زاہدہ درانی صاحبہ

آج 5 اپریل کا دن ایک اہم اور جذباتی یاد بھی اپنے ساتھ لیے ہوئے ہے۔

اتفاق سے آج ہی کے دن محترمہ ڈاکٹر زاہدہ دورانی صاحبہ، چیف ایگزیکٹو طلوعِ اسلام ٹرسٹ، کی پہلی برسی ہے۔ آج سے ایک سال قبل وہ اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئیں۔

مرحومہ نہایت مخلص، شفیق، باوقار، صاحبِ علم اور باعزم شخصیت کی مالک تھیں۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی قرآنِ خالص کے ابلاغ اور تحریکِ طلوعِ اسلام کی خدمت کے لیے وقف کیے رکھی۔ ان کی خدمات تحریک کے لیے نہایت گرانقدر اور ناقابلِ فراموش ہیں۔

خصوصی طور پر قرآنی فکر کے اس محسوس مرکز 'باباجی کے گھر، 25۔بی گلبرگ' میں قائم موجودہ عمارت، جہاں آج طلوعِ اسلام ٹرسٹ اور ادارہ طلوعِ اسلام کے دفاتر قائم ہیں، مرحومہ ڈاکٹر صاحبہ کا ایک بیش قیمت تحفہ ہے، جو ان کی قرآنی مشن سے غیر معمولی وابستگی کی روشن علامت ہے۔

علامہ پرویز علیہ الرحمہ کی تصانیف کی اشاعت، دروس القرآن کی ریکارڈنگ اور ان کے علمی سرمایہ کے تحفظ میں بھی ان کی خدمات نمایاں اور تاریخ ساز رہیں۔ اس کے علاوہ ٹرسٹ کے متعدد اخراجات بھی وہ خاموشی اور اخلاص کے ساتھ

برداشت کرتی رہیں۔

یقیناً ان کی یہ خدمات حلقۂ طلوعِ اسلام میں ہمیشہ قدر و احترام کے ساتھ یاد رکھی جائیں گی اور آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ رہیں گی۔

ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، ان کی خدمات کو شرفِ قبولیت بخشے اور تمام لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

اظہارِ تعزیت

آج کے اس بابرکت قرآنی کنونشن میں ہم ایک ایسی باوقار اور دلنشین شخصیت کی کمی شدت سے محسوس کر رہے ہیں جو ہر اجتماع کی روح اور اسٹیج کی رونق ہوا کرتی تھی۔ محترم محمد عمر صاحب آج ہمارے درمیان موجود نہیں، اور ان کی عدم موجودگی ہم سب کے دلوں میں ایک گہرے خلا کا احساس پیدا کر رہی ہے۔

محترم محمد عمر صاحب (سابق وائس چیئرمین ادارہ طلوعِ اسلام) کی وفات ہم سب کے لیے ایک بڑا صدمہ ہے۔ اس اجتماع کے آغاز میں ہم ان کی یاد میں خراجِ عقیدت اور اظہارِ تعزیت پیش کرتے ہیں۔

مرحوم نہ صرف ادارے کے ایک ذمہ دار رکن تھے بلکہ ادارۂ طلوعِ اسلام کی ہر محفل کی جان سمجھے جاتے تھے۔ طویل عرصے تک انہوں نے انتہائی خلوص، وقار اور مہارت کے ساتھ اسٹیج سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیے۔ خصوصاً 2024 کے کنونشن میں شدید علالت کے باوجود ان کی اسٹیج پر موجودگی ان کے جذبۂ خدمت، وابستگی اور استقامت کی روشن مثال بن کر ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔

وہ خوش گفتار، خوش مزاج اور باوقار شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی گفتگو میں روانی، انداز میں دلکشی اور عملی مثالوں کے ذریعے بات کو مؤثر اور دلنشین بنانے کا منفرد ہنر انہیں دوسروں سے ممتاز کرتا تھا۔ ان کی موجودگی سے محفل میں زندگی، وقار اور اپنائیت کی فضا قائم ہو جاتی تھی، اور آج انہی کی کمی شدت سے محسوس کی جا رہی ہے۔

بلاشبہ ان کی خدمات ادارہ اور حلقۂ طلوعِ اسلام کے لیے ایک قیمتی اثاثہ ہیں، جنہیں ہمیشہ احترام، محبت اور قدر کے ساتھ یاد رکھا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی جوارِ رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، ان کی مغفرت فرمائے اور تمام لواحقین و رفقاء کو صبرِ جمیل نصیب فرمائے۔ آمین

خورشید انور (چیئرمین ادارہ طلوعِ اسلام)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قرآن کس طرح انسانی کوشش اور وقت بچاتا ہے

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۔۔۔ اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ۔۔۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
وَالۡعَصۡرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۙ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۬ۙ
وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ﴿۳﴾

فکرِ قرآنی کے داعیو معزز بھائیو اور بہنو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج کے اس قرآنی اجتماع میں تجویز کردہ موضوع پر ہمارے احباب معزز مقررین نے نہایت وقیع اور علمی خطابات اور مقالات پیش کیے ہیں۔ علمی اعتبار سے وہ مجھ سے کہیں زیادہ بلند مقام رکھتے ہیں، لہذا میں موضوع پر بیان کئے گئے علمی نکات پر کوئی اضافہ تو نہیں کر سکونگا لیکن روایات محفل کی مجبوری میں لب کشائی بہرحال کرنی پڑیگی۔

جیسا کہ آپ سب کے علم میں ہے موضوع زیر بحث ہے ''قرآن کس طرح انسانی کوشش اور وقت کو بچاتا ہے'' علامہ پرویز کے لٹریچر کے وساطت سے قرآنی تعلیمات سے آگاہی رکھنے والے جانتے ہیں کہ قرآن جب تاریخی واقعات بیان کرتا ہے تو اس کا مقصد تاریخی واقعات دھرانا نہیں ہوتا کیونکہ قرآن تاریخ کی کتاب نہیں اس میں جو واقعات سرسری طور پر مذکور ہیں ان کا مقصد دراصل یہ حقیقت سمجھانا ہے کہ انسان نے جب بھی معاشرے کے مسائل کیلئے عقل کی بنیاد پر کوئی حل پیش کئے ہیں تاریخ انسانیت نے اس کو غلط ثابت کیا ہے۔ یہ سلسلہ ازل سے جاری ہے اور جاری رہے گا۔ انسان صدیوں کے تجربات کے بعد کچھ اصولوں اور نظریات کو یکسر غلط قرار دے کر ردی کی ٹھوکری میں ڈالتا ہے جس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ پچھلے ادوار کے انسانوں نے اپنے وقت اور توانائیوں کو یوں ہی بیکار ضائع کیا چنانچہ انسان نے جب بھی تنہا عقل پر تکیہ کر کے مسائل کے حل کی کوششیں کی ہیں اس کے نتیجے میں انسانیت نے ماضی میں بھی نقصانات اٹھائے ہیں اور جب تک انسان اس روش پر قائم رہے گا آئندہ بھی نقصان ہی اٹھائے گا۔ سورۃ العصر میں اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی تاریخ کو گواہ بنا کر اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے اور بڑے جامع اور مدلل لیکن مختصر ترین انداز میں اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے۔

وَالۡعَصۡرِ ۙ﴿۱﴾

انسانی تاریخ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۙ﴿۲﴾ انسان ہمیشہ نقصان اٹھاتا رہا ہے (کیونکہ اس نے وحی کو فراموش کر کے صرف عقل انسانی کو مسائل کے حل کا ذریعہ ٹھہرایا ہے)

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳

لیکن اس نقصان سے وہ لوگ (یعنی اقوام) محفوظ رہی ہیں اور محفوظ رہیں گی جو وحی پر ایمان رکھتے ہیں اور محض اعتقادی ایمان پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ عملاً انسانی عقل کو وحی کی تابع ہی استعمال کرتے ہیں اور اس مقصد کیلئے عملی جدوجہد کرتے ہوئے تمام انسانوں کو اس بات پر قائل کرنے اور اس مقصد کیلئے پیش آنے والے مصائب ومشکلات پر صبر واستقامت کی تعلیم وترغیب دیتے ہیں۔

قرآنِ کریم ہمیں بتاتا ہے کہ جو ابدی اصول اور مستقل اقدار انسانی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کئے گئے ہیں، ان میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ راستے کی تمام رکاوٹوں کو ہٹاتے ہوئے برق رفتاری سے اپنی منزل تک پہنچ جائیں۔ چنانچہ سورہ فاطر میں ارشاد ہوتا ہے:

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ... یعنی پاکیزہ نظریات اور صالح افکار اوپر کی طرف ابھرتے ہیں اور ارتقاء کی اس منزل تک پہنچتے ہیں جو ان کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ قرآن ان نظریات کو ''الحق'' کہتا ہے اور جو قوتیں ان کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہیں انہیں ''باطل'' سے تعبیر کرتا ہے۔ اسی کشمکش کو قرآن نے سورہ الانبیاء میں بیان کیا ہے:

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ ... یعنی حق، باطل پر کاری ضرب لگاتا ہے اور بالآخر باطل مٹ کر رہ جاتا ہے۔

لیکن قرآن یہ بھی بتاتا ہے کہ عام حالات میں حق کے ان اصولوں کا تاریخی ظہور بڑی تدریجی رفتار سے ہوتا ہے۔ سورہ السجدہ میں ارشاد ہے: يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ... یعنی تاریخ کے پیمانے میں، اس کا ایک دن تمہارے ہزار سال کے برابر ہوسکتا ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ قرآن ایک عظیم حقیقت کو بھی واضح کرتا ہے کہ اگر کوئی انسانی جماعت ان اصولوں کو شعوری طور پر اپنی اجتماعی زندگی میں نافذ کردے تو پھر وہی نتائج جو تاریخ میں ہزاروں برس میں ظاہر ہوتے ہیں، انسانی حساب کے مطابق چند دنوں میں سامنے آجاتے ہیں۔ اسی لئے آیت کے اگلے حصے میں فرمایا: وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ ... یعنی انسانی اعمال صالح ان اصولوں کو تیزی سے بلند کردیتے ہیں۔

محترم حاضرین!

انسانی تاریخ پر نگاہ ڈالئے۔ انسان طویل عرصہ تک صرف اپنی عقل کے سہارے زندگی کے پیچیدہ راستوں پر چلتا رہا۔ اندھیروں میں راستہ تلاش کرتا، ٹھوکریں کھاتا، غلطیاں کرتا اور تجربات سے گزرتا رہا۔ جب جب انبیاء کرام کے ذریعے وحی آتی رہی اور جب عقل وحی کے تابع ہوجاتی تو وقتی طور پر معاشرے کا نظام سدھر جاتا لیکن انبیاء کے رحلت کے بعد وحی میں مفاد پرست گروہوں کی طرف سے ملاوٹ شروع ہوجاتی اور انسانی مسائل کیلئے عطا کردہ قوانین وحی، مذہبی رسومات میں

تبدیل ہوجاتیں اور انسانی مسائل پھر سے عقل کے سپرد ہوجاتیں یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا کہ آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے وحی کی قندیل اپنے مکمل شکل میں قرآن کے صورت میں روشن ہوئی اور اس نے انسانیت کے تاریک راہوں کو یکا یک منور کردیا۔

عرب کی ایک منتشر قوم نے جب ان قرآنی اصولوں کو اپنی اجتماعی زندگی میں نافذ کیا تو وہ حیرت انگیز رفتار سے ترقی کے منازل طے کرنے لگی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اسلام نے انہیں زندگی کے واضح اصول عطا کئے اور انہوں نے ان کے مطابق اپنا معاشرہ تشکیل دیا اور عقل کو وحی کے تابع رکھ کر مسائل کا حل نکالا۔ ان اصولوں کے چند نمایاں پہلوؤں کا اختصار سے ذکر کرتے ہیں:

ملوکیت کا خاتمہ:

اسلام نے یہ اصول دیا کہ کسی انسان کو دوسرے انسانوں پر حق اقتدار حاصل نہیں۔ حکومت کا کام صرف قوانینِ خداوندی کا نفاذ ہے اور یہ قوانین حکمران سمیت تمام افراد پر یکساں طور پر نافذ ہوتے ہیں۔ اجتماعی معاملات باہمی مشاورت سے طے ہوتے ہیں اور معاشرے میں عزت و احترام کا معیار نسل، رنگ، زبان اور سماجی حیثیت یا دولت نہیں بلکہ کردار کی بلندی ہے۔ اس اصول نے ملوکیت کی جڑ کاٹ دی اور افراد کو حقیقی آزادی میسر آ گئی۔

مذہبی پیشوائیت کا خاتمہ:

اسلام نے اعلان کیا کہ خدا اور بندے کے درمیان کوئی واسطہ یا دربان نہیں۔ ہر انسان براہ راست اللہ کے قانون کا پابند ہے۔ اس اعلان نے مذہبی استبداد کی زنجیریں توڑ دیں اور انسان کو آزادیٔ فکر نصیب ہوئی۔ جب فکر آزاد ہوئی تو علم و تحقیق کے دروازے کھل گئے اور وہ قوم مختصر عرصے میں علم و حکمت کی فضا میں بلند پرواز کرنے لگی۔

معاشی عدل:

اسلام نے یہ اصول دیا کہ یہ انسانیت کی ذلت ہے کہ کوئی شخص روٹی کے لئے دوسرے کا محتاج ہو۔ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ ہر فرد کی بنیادی ضروریات زندگی کی ضمانت دے۔ جب معاشرہ اس اصول پر استوار ہوا تو رزق کی پریشانی ختم ہوئی اور ہوسِ زر کی لعنت بھی کمزور پڑ گئی۔ ایسے معاشرے میں ترقی کے راستے حیرت انگیز رفتار سے کھل جاتے ہیں۔

تکریمِ انسانیت:

قرآن نے اعلان کیا کہ تمام انسان پیدائش کے اعتبار سے یکساں معزز ہیں۔ اس ایک اصول نے نسل، قبیلے اور خاندان کی بنیاد پر قائم تمام امتیازات کو ختم کردیا۔ چنانچہ وہ معاشرہ مساواتِ انسانیہ کا عملی نمونہ بن گیا۔ حبش کا غلام بلال رضی اللہ عنہ قریش کے سرداروں سے زیادہ معزز قرار پایا اور ایک مزدور صہیب رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کے عظیم رہنما حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جنازہ کی امامت کا شرف حاصل ہوا۔

احباب محترم!

یہ سب اس لئے ممکن ہوا کہ اس قوم نے وحی کی رہنمائی کو اختیار کیا تھا۔لیکن جب بعد میں مسلمانوں نے اس رہنمائی کو چھوڑ دیا تو انسانی قافلہ پھر صرف عقل کے تجرباتی طریق پر چل پڑا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ عقل کا طریق تجرباتی ہوتا ہے۔ وہ نظریہ بناتی ہے، اس پر عمل کرتی ہے، صدیوں کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ وہ غلط تھا، پھر نیا نظریہ وضع کرتی ہے۔ اسی طرح ہزاروں سال کے بعد کہیں جا کر حقیقت تک پہنچتی ہے۔ اس سفر میں انسان کو جنگوں، مصیبتوں اور بے شمار قربانیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

اس کے برعکس وحی انسان کو ابتدا ہی میں صحیح اصول دے دیتی ہے۔ جو جماعت ان اصولوں کو بصیرت کے ساتھ قبول کر لیتی ہے وہ وہی فاصلہ چند دنوں میں طے کر لیتی ہے جسے عقل تنہا صدیوں میں طے کرتی ہے۔

اسی حقیقت کو افلاطون نے یوں بیان کیا تھا کہ انسان بار بار نظریات بنائے گا، انہیں توڑے گا اور دوبارہ بنائے گا یہاں تک کہ وہ انہیں خدائی اصولوں کے قریب تر لے آئے گا اور اقبال نے اسی مضمون کو اپنے انداز میں یوں کہا:

عقل بہ حیلہ می برد، عشق برد کشاں کشاں　　ہر دو بمنزلے رواں، ہر دو امیرِ کارواں

یعنی عقل بھی منزل کی طرف بڑھتی ہے مگر تدریج اور حیلوں سے، جبکہ وحی انسان کو تیزی سے منزل تک پہنچا دیتا ہے۔

آج کی دنیا بھی بتدریج انہی اصولوں کی طرف بڑھ رہی ہے جنہیں قرآن نے صدیوں پہلے پیش کیا تھا۔ کہیں انسانی مساوات کی بات ہو رہی ہے، کہیں انسانی حقوق کی، کہیں معاشی عدل کی۔ گویا انسان تجربات کے بعد انہی سچائیوں تک پہنچ رہا ہے۔

طلوعِ اسلام کی دعوت یہی ہے کہ انسان خصوصاً مسلمان دوبارہ اس دین کی طرف لوٹ آئیں جسے عہدِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقاء نے عملی طور پر نافذ کر کے دکھایا تھا اور جس نے مختصر مدت میں تاریخ کا رخ بدل دیا تھا۔

کیونکہ دنیا میں جہاں بھی انسانی صلاحیتوں کی کوئی جھلک دکھائی دیتی ہے وہ اسی رحمتِ الٰہی کا پرتو ہے جس کے متعلق فرمایا گیا:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ... آج کی دنیا قرآنی نظام کے کئی گوشوں کو اپنا چکی ہے، بعض کو اپنانے کی کوشش کر رہی ہے اور بعض ایسے ہیں جنہیں وہ آئندہ اپنائے گی۔ اس لئے کہ ان کے بغیر نہ انسانی صلاحیتیں اپنی تکمیل تک پہنچ سکتی ہیں اور نہ انسانی معاشرہ حقیقی حسن اور توازن حاصل کر سکتا ہے۔

لہٰذا بزمِ ہستی میں جہاں کہیں روشنی کی کوئی کرن دکھائی دیتی ہے وہ اسی آفتابِ ہدایت کی ضیا ہے، اور گلشنِ عالم میں جہاں کہیں کوئی خوشبو محسوس ہوتی ہے وہ اسی بہارِ قرآن کی عطا ہے۔ انسان جب بھی اپنے سست رفتار سے کسی حقیقت پر پہنچے گا اسے تب قرآن کے حقانیت کا یقین ہوگا کہ جس حل تک وہ اتنے زمانوں میں پہنچنے کی تگ و دو کرتا رہا وہ تو قرآن کب کا پیش کر چکا ہے۔ سورۃ حٰم السجدہ کے آیت 53 میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

سَنُرِيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا فِى الۡاٰفَاقِ وَفِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُ الۡحَقُّ ؕ

ہم ایسے حالات پیدا کرتے جائیں گے کہ آفاق میں اور اِن لوگوں کی انفس میں ہمارے قانون کی صداقت کی محسوس نشانیاں نظر آجائیں گی، حتیٰ کہ یہ حقیقت نکھر کر ان کے سامنے آجائے گی کہ قرآن نے جو کچھ ان سے کہا تھا وہ حق پر مبنی تھا' اور ٹھیک اسی طرح واقع ہو کر رہا۔

احباب گرامی!

میرے ان گذارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانی تاریخ، اس بات پر گواہ ہے کہ عقل کے پاس کسی مسئلے کا حتمی حل نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک حل پیش کرتا ہے اور طویل عرصے تک اس پر عمل ہونے کے بعد اس کے نقائص سامنے آتے ہیں یعنی عقل کا طریقہ ٹرائل اینڈ ایرر (Trial and Error) کا ہے جس پر یہ یقین نہیں کیا جاسکتا کہ اس کا پیش کردہ حل ٹھیک نتائج پیدا کریگا یا غلط؟

عقل انسانی کے بارے میں دوسری نا قابل تردید حقیقت یہ ہے ایک دور کے انسان کا عقل اگلے دور کے انسان کے مسائل کا ادراک نہیں کرسکتا کیونکہ عقل کوئی مکمل شے نہیں بلکہ یہ خود مسلسل ارتقائی عمل سے گذرنے والی شے ہے اور اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ آج کا ایک عام انسان ماضی کے کسی دانشور کے افکار کو پہلی نظر میں ہی رد کرسکتا ہے اور یہی حال آج کے دانشور کے افکار کا مستقبل کے ایک عام انسان کے ہاتھوں ہوگا۔ لہٰذا تنہا عقل انسانی معاشرے کے لئے اقدار تشکیل دینے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا۔

اس سے یہ بات واضح ہے کہ عقل بار بار کی غلطیوں کے بعد ہی کسی نتیجے پر پہنچ سکتا ہے لیکن اس کو پھر بھی حتمی طور پر درست نہیں کہا جاسکتا اور یوں انسان کا اجتماعی وقت اور کوشش بار بار کے تجربات سے ضائع ہوجاتی ہیں۔

اس کے مقابلے میں وحی یقینی اور حتمی ہوتی ہے جو اللہ کا عطا کردہ علم ہوتا ہے اور کسی منتخب انسان (یعنی نبی) کے ذریعے تمام انسانوں کو دی جاتی ہے۔ اور جو اپنے آخری یقینی اور مکمل شکل میں صرف قرآن کے اندر محفوظ ہے۔ چونکہ وحی اللہ کی طرف سے دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ علیم وخبیر کا علم ماضی حال ور مستقبل پر محیط ہے اس لئے وحی کی روشنی میں انسانی عقل کا استعمال انسانی مسائل کا شافی حل ہے جو انسانیت کو اندھیروں میں بھٹکنے سے بچا کر انسان کا وقت اور کوشش بچاتا ہے۔ تنہا عقل انسانی مسائل کے حل میں کس قدر کامیاب رہا ہے آئیں اقبال سے پوچھتے ہیں۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا — اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا — آج تک فیصلہ نفع و ضرر نہ کر سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا — زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

اور اقبال کے ان نا قابل تردید دلائل کے بعد مزید بحث کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ انہی مختصر گذارشات پر اکتفا کرتے ہوئے اجازت طلب کرتا ہوں اور تمام احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں خصوصاً ان نامساعد حالات میں بیرون ملک سے اور اندرون ملک دور دراز سے تشریف لانے والوں کا۔ اور دعا گو ہوں کہ یہ کارواں اسی طرح جوش جذبے، شائستگی اور سنجیدگی سے آگے بڑھتا رہے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خورشید انور (چیئرمین ادارہ طلوعِ اسلام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طلوعِ اسلام سالانہ کنونشن 2026ء
ایک فکری بیداری کی نئی صبح

لاہور میں 4 اور 5 اپریل کو منعقد ہونے والا طلوعِ اسلام کا دو روزہ سالانہ کنونشن 2026ء کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوگیا۔ موجودہ قومی و عالمی غیر یقینی حالات، معاشی دباؤ اور فکری انتشار کے باوجود ملک بھر اور بیرونِ ملک سے وابستہ احباب کی بھرپور شرکت اس امر کی روشن علامت تھی کہ قرآنی فکر کی یہ تحریک آج بھی زندہ، متحرک اور انسانیت کے مستقبل کے لیے امید کی کرن ہے۔

اس سال کے کھلے اجلاس کا منتخب موضوع تھا: ''قرآنِ کریم کیسے انسانی کوشش اور وقت بچاتا ہے''

مقررین نے قرآنِ کریم اور انسانی تاریخ کی روشنی میں واضح کیا کہ قرآن محض مذہبی کتاب نہیں بلکہ انسانی ارتقاء کا ایسا جامع دستور ہے جو انسان کو صدیوں کی آزمائشوں سے بچا کر سیدھا صحیح اصولوں تک پہنچاتا ہے۔

- بتایا گیا کہ انسانی تاریخ میں جب بھی اقوام نے قرآنی اصولوں، عدل، مساوات، انسانی وقار، معاشی انصاف اور فکری آزادی کو اجتماعی نظام کی بنیاد بنایا تو ترقی کے نتائج غیر معمولی رفتار سے ظاہر ہوئے۔
- اس کے برعکس محض تجرباتی طریق پر انحصار کرنے والی تہذیبوں کو انہی اصولوں تک پہنچنے میں صدیوں لگ گئے۔
- آج کی جدید دنیا دراصل انہی قرآنی اصولوں کی طرف تدریجی واپسی کا سفر طے کر رہی ہے جو قرآن نے چودہ صدیاں پہلے انسانیت کو عطا کر دیئے تھے۔

صدارتی خطاب کا مرکزی نکتہ:

مسلمانوں کو دوبارہ قرآن کے ابدی نظامِ حیات کو اجتماعی زندگی کی بنیاد بنانا ہوگا تاکہ ایسا معاشرہ تشکیل پا سکے جہاں:

عدل قانون سے نہیں، کردار سے قائم ہو، مساوات نعروں سے نہیں، نظام سے ظاہر ہو، انسان کی عزت محض تصور نہیں بلکہ عملی حقیقت بن جائے۔

کنونشن کا اجتماعی عزم:

اجتماع کے اختتام پر اس عہد کی تجدید کی گئی کہ تحریکِ طلوعِ اسلام قرآن کے عالمگیر پیغام کو عام کرنے، نوجوان نسل کی فکری رہنمائی کرنے اور انسانی معاشرے کو قرآنی اصولوں پر استوار کرنے کی جدوجہد جاری رکھے گی۔ کیونکہ قرآنِ کریم ہی انسانیت کو ترقی، استحکام اور امن کی طرف لے جانے والا محفوظ اور مختصر راستہ فراہم کرتا ہے۔

اگلے صفحات میں کنونشن کی چند تصویری جھلکیاں پیش خدمت ہیں۔

آپ سے درخواست ہے کہ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ انسانیت کو فرقہ واریت نہیں بلکہ خالص قرآنی فکر کی ضرورت ہے تو:

اس پیغام کو شیئر کریں، نوجوان نسل تک پہنچائیں، مکالمہ شروع کریں، اور قرآن کے فکری انقلاب کا حصہ بنیں۔

شکریہ

تحریک طلوعِ اسلام ۔۔۔۔۔قرآن کریم کی روشنی میں انسانیت کا روشن مستقبل

کنونشن کے انعقاد کے حوالے سے وضاحت

گزشتہ روز ادارہ طلوعِ اسلام کی جانب سے منعقدہ طلوعِ اسلام کنونشن 2026ء کے متعلق فیس بک پر شیئر کی گئی پوسٹ پر احباب کی جانب سے مختلف آراء اور بعض تنقیدی تبصرے سامنے آئے۔ ادارہ ان تمام احباب کا تہہ دل سے شکر گزار ہے کہ انہوں نے خلوصِ نیت کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کیا۔ تحریکیں زندہ اسی وقت رہتی ہیں جب ان کے وابستگان سنجیدگی سے سوال بھی کریں اور بہتری کی خواہش بھی رکھیں۔

چند معروضات وضاحت کے طور پر پیش خدمت ہیں:

1۔ کنونشن کی نوعیت:

طلوعِ اسلام کنونشن کسی عوامی جلسے یا عام اجتماع کی صورت میں منعقد نہیں کیا جاتا بلکہ یہ بنیادی طور پر اراکین اور متفقین کی سالانہ تنظیمی و فکری نشست ہوتی ہے۔ اس کا مقصد تحریک کو مزید فعال بنانا، تنظیمی امور کا جائزہ لینا اور عوام الناس تک قرآنی پیغام مؤثر انداز میں پہنچانے کے طریقۂ کار پر غور کرنا ہوتا ہے۔

2۔ نمائندگان کی ذمہ داری:

ملک بھر کی بزمہائے طلوعِ اسلام کے نمائندگان کو باقاعدہ ہدایت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقوں کے اراکین

اور متفقین کو شرکت کے لیے آمادہ کریں اور متوقع شرکاء کی اطلاع قبل از وقت ادارہ کو فراہم کریں تاکہ مناسب انتظامات ممکن ہو سکیں۔

3۔سابقہ تجربات کی روشنی میں حکمتِ عملی:

سنہ 2022ء کے کنونشن کے موقع پر ادارہ کی جانب سے سوشل میڈیا پر بھرپور تشہیری مہم چلائی گئی تھی، حتیٰ کہ علاقائی بزموں، نمائندگان اور رابطہ نمبرز بھی پیشگی جاری کیے گئے۔ تاہم اس کے باوجود شرکاء کی تعداد توقع کے مطابق نہ بڑھ سکی۔ اس تجربہ کی بنیاد پر آئندہ حکمتِ عملی میں بعض تبدیلیاں کی گئیں۔

4۔موجودہ حالات کے پیشِ نظر فیصلہ:

اس سال ملک میں غیر یقینی صورتحال اور ممکنہ لاک ڈاؤن کے خدشات کے باعث سوشل میڈیا پر عمومی دعوت جاری نہیں کی گئی۔ تاہم تمام نمائندگان کو واضح ہدایات دی گئی تھیں کہ زیادہ سے زیادہ احباب کی شرکت یقینی بنائیں۔

5۔ادارہ کا قانونی و نظریاتی تشخص:

ادارہ طلوعِ اسلام 1958ء سے ایک رجسٹرڈ ادارہ کی حیثیت سے قرآنی فکر کی نشر و اشاعت اور تبلیغ و ترویج کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ ادارہ ہمیشہ آئین و قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنی ذمہ داریاں ادا کرتا آیا ہے، اس لیے کسی خوف یا دباؤ کا تصور درست نہیں۔

6۔اصل دعوت ہماری مشترکہ ذمہ داری:

ہم سب بحیثیت مسلمان ابلاغِ قرآن کے مکلف ہیں۔ اس تناظر میں ہمیں یہ بھی سوچنا ہوگا کہ آیا ہم انفرادی اور اجتماعی طور پر اس ذمہ داری کو کس حد تک ادا کر رہے ہیں۔ تحریکیں افراد سے بنتی ہیں، اور ان کی مضبوطی بھی وابستگان کے عملی کردار سے ہی ممکن ہوتی ہے۔

آخر میں ادارہ تمام احباب کو یقین دلاتا ہے کہ تنقید کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، بشرطیکہ اس کا مقصد اصلاح اور بہتری ہو۔ ہماری خواہش ہے کہ اختلاف کے باوجود احترام، اخلاص اور باہمی اعتماد کی فضا برقرار رہے تاکہ قرآنی پیغام کی خدمت اجتماعی قوت کے ساتھ جاری رہ سکے۔

والسلام

(چیئرمین ادارہ طلوعِ اسلام)

اعجاز رسول، گلاسگو، یو کے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قانونِ مکافاتِ عمل کس طرح انسانی کاوشوں اور توانائیوں کو بچاتا ہے

(علامہ پرویز کی تصنیف اسلام کیا ہے؟ سے ماخوذ)

دین کا سارا تصور اس محور کے گرد گردش کرتا ہے کہ انسان کا ہر عمل حتیٰ کہ دل میں گزرنے والے خیالات بھی نتیجہ پیدا کرتے ہیں۔ اور یہ نتائج قوانینِ خداوندی کے مطابق مرتب ہوتے ہیں۔ یعنی جس کام کے متعلق اللہ کے قانون نے بتادیا ہے کہ اس کا یہ نتیجہ نکلے گا اِس کام کا وہی نتیجہ ہوتا ہے۔ اس میں کبھی فرق نہیں آ سکتا۔

مثلاً جو شخص آگ میں ہاتھ ڈالے گا اس کا ہاتھ جل جائے گا۔ یہ اس لئے کہ اللہ کا طبعی قانون ہے کہ آگ جلاتی ہے اور حرارت مہیا کرتی ہے۔ لہٰذا یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی شخص آگ میں ہاتھ ڈالے اور اُس کا ہاتھ نہ جلے۔ عمل اور اُس کے نتیجے کا جو نظام طبعی زندگی میں جاری اور ساری ہے اُسی قسم کا نظام خود انسانی دنیا کے لئے بھی مقرر ہے۔ اس قانون کی رُو سے انسان کا ہر عمل اور ارادہ بھی نتیجہ پیدا کرتا ہے اِس کو اللہ کا مکافات عمل کہتے ہیں۔

قانون مکافات عمل کیا ہے؟

انسانی زندگی میں قانونِ مکافات ایسی بنیادی اہمیت رکھتا ہے کہ اِس کے بغیر دنیا کا نظم ونسق چل نہیں سکتا۔ یہ جو ہم 2026 کی دنیا میں ہر طرف فساد اور ناانصافی کا مظاہرہ دیکھ رہے ہیں یہ اسی لئے ہے کہ انسان مکافات عمل سے پوری طرح واقف نہیں ہے۔ اور وہ لوگ جو قوت کے حامل ہیں وہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ اُن کا حساب کتاب نہیں لیا جا سکتا۔ ایک غیر مہذب معاشرہ میں جس کے پاس قوت ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس کو حق ہے کہ جس طرح چاہے وہ اُس قوت کو استعمال کرے (Might is right) اور مہذب معاشرہ میں یہ فیصلہ قانون کے مطابق ہوتا ہے اور جو شخص اس فیصلہ کی خلاف ورزی کرتا ہے اسے اُس کی سزا ملتی ہے اور ہر شخص کو اُس معاشرہ میں قانون کا علم ہوتا ہے اور اُن کے ساتھ اُس کو اپنی ذمہ داریوں کا بھی علم ہوتا ہے۔

لیکن انسانی نظم ونسق کے تحت قانونِ مکافات میں بہت سے رخنے رہ جاتے ہیں مثلاً:

1۔ ایک شخص چوری کرتا ہے لیکن اس انداز سے کہ کسی کو اُس کا پتہ نہ چلے۔ وہ اس طرح اپنے جرم کی سزا نہیں پا سکتا۔ یا پھر

2۔ اگر وہ پکڑا جائے لیکن وہ پولیس کو اپنے ساتھ ملا لے یا عدالت تک 'رسائی' حاصل کرلے تو اس صورت میں بھی وہ سزا

سے بچ سکتا ہے۔ یا

3۔ ارباب حکومت یا مجالس قانون ساز قوانین ایسے بنالیں جو کسی خاص طبقہ کی بدعنوانیوں کو جرم ہی قرار نہ دیں جیسے آج کی دنیامیں سب انسانی نظاموں کے نیچے ہوتا ہے۔ (قرآن کی رُو سے اسے طاغوتی نظام کہتے ہیں) کہ قانون ایسے بنائے جاتے ہیں جن سے محنت کش انسانوں کو ان کی محنت کا پورا معاوضہ نہیں ملتا اور یہ سارا عمل جُرم ہی قرار نہیں پاتا۔ یا پھر طاقتور قانون بنا کر (یا بغیر قانون کے) کمزور قوموں پر جنگ مسلط کردیتے ہیں تا کہ اُن کے وسائل پر قبضہ کر لیں۔ یا

4۔ قوموں کے لیول پر طاقتور قومیں جو کسی طرح قوت حاصل کر لیتی ہیں اپنی قوت کا استعمال بے دریغ کر کے دوسری قوموں کا استحصال کرتی ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ UNO (اقوام متحدہ) آج کل بے اثر ہو کر رہ گئی ہے اور امریکہ اور اُس کے حواری دنیا میں ہر طرف فساد مچا رہے ہیں۔ یہاں پر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ انسان جان بوجھ کر ایسا کیوں کرتا ہے؟ بعض اوقات کئی عام انسانوں کو علم ہوتا ہے کہ اُس کی قوم جو غلط اقدام کر رہی ہے ان کا 100 فیصد نتیجہ نہیں نکلے گا لیکن اُس قوم کے سردار پھر بھی آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

اللہ کے نظم و نسق میں قانونِ مکافات

یہاں پر ایک بات ہمیں ذہن میں رکھنی چاہئے کہ قومیں افراد سے بنتی ہیں۔ جیسے افراد ہوں گے ویسی قوم ہوگی۔ ایک فرد اگر دیکھتا ہے کہ اُس کی قوم غلط راستے پر گامزن ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بھی اپنے اختیار و ارادہ کو استعمال کر کے غلط راستہ پر گامزن ہو جائے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی بھی قوم میں کسی فرد کو رہنا پڑے اُس کو تین باتوں کا علم ہونا چاہئے۔

ا۔ بحیثیت انسان کے اُس کے پاس اختیار و ارادہ ہے۔

ب۔ اس اختیار و ارادہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے غلط اعمال کا ذمہ دار ہے۔ اور چونکہ ہر کام سے پہلے انسان کے دماغ میں خیال آتا ہے جس پر وہ فیصلہ کرتا ہے کہ کونسا عمل اُس کو کرنا چاہئے۔ اس لئے ہر خیال اور عمل کے نتیجہ کے متعلق بھی اس کو علم ہونا چاہئے کہ اس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔

ج۔ اِس نتیجہ کے متعلق اُس کو علم ہونا چاہئے کہ اِس کا اثر اُس کی ذات پر کیسے ہوگا اور یہ کیسے معاشرہ کے دوسرے افراد پر اثر انداز ہوگا۔ پھر اِس نتیجہ کے متعلق اُس کو یہ بھی علم ہونا چاہئے کہ اِس کے فوری کیا نتائج نکلیں گے اور اِن کے دوررس کیا نتائج ہوں گے۔ اور دوررس نتائج کے لئے اُسے دیکھنا چاہئے کہ اُس کی آخرت کی زندگی پر کیا اثر پڑے گا۔

یہاں سے یہ بات بھی ہمارے سامنے آتی ہے کہ معاشرہ کے افراد کی تعلیم و تربیت ضروری ہے کیونکہ اگر کسی بات کا انسان کو علم نہیں ہے تو اُس کو اپنے اعمال کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اس لئے افراد کو ذمہ دار ٹھہرانے کے لئے ضروری ہے کہ اُن کو قانونِ مکافاتِ عمل کے متعلق مناسب تعلیم و تربیت مہیا کی جائے۔ مثلاً اگر ہم غور سے آج کے معاشرہ کو دیکھیں تو کہیں بھی مکافاتِ عمل کے قانون کی بات قرآن کی روشنی میں نہیں ہوتی۔ جو مسلمانوں کے ممالک ہیں وہ بھی انہیں اقدار پر عمل کرتی ہیں جو کہ طاقتور قوتوں کی اقدار ہیں۔ یعنی اضافی اقدار (وہاں مستقل اقدار کی کوئی بات نہیں ہوتی)۔ قرآن نے مکافاتِ عمل کے قانون کے متعلق یہ کہا ہے:

''اللہ نے زمین اور آسمان کا سلسلہ بالحق پیدا کیا ہے تا کہ ہر نفس (انسان جن کے پاس اختیار و ارادہ ہے) کو اُس

کے اعمال کا پورا پورا بدلہ مل جائے اور کسی کے ساتھ ظلم (ناانصافی) نہ ہو۔(45:22)

بالحق کا مطلب ہے کہ ہر کام کا صحیح نتیجہ نکلے یعنی زمین اور آسمان کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ یہاں ہر کام قانون کے مطابق ہو اور چونکہ انسان کے پاس اختیار و ارادہ ہے اِس لئے اُس کو اپنے اعمال کا ذمہ دار بنایا ہے تا کہ وہ اپنی دنیا کی زندگی میں وہ اعمال کرے جن سے اُس کی قابلیت باہر آ جائے۔اُن کے اندر جو قوتیں اور توانائیاں رکھی گئی ہیں اُن کا بہترین نتیجہ نکلے۔اور اُن کی قوتیں اور توانائیاں ضائع نہ چلی جائیں۔

یہاں پر ایک اہم نقطہ کی وضاحت ضروری ہے۔ ہر نفس کہہ کر قرآن نے انسانی ذات کی موجودگی کی طرف اشارہ کیا ہے۔انسانی ذات کیا ہے؟

(I) انسان کے پاس 'میں' یا 'I' ہے جس سے اُس کو احساسِ شناخت ملتا ہے۔ یہ احساسِ شناخت (Sense of identity) ساری زندگی تبدیل نہیں ہوتا کیونکہ یہ الوہیاتی توانائی پر مبنی ہوتا ہے۔مثلاً میں یہ باتیں لکھ ہی نہیں سکتا اگر میرے پاس یہ 'میں' نہیں ہے۔

(II) یہ 'I' یا میری 'میں' انسانی عقل اور جذبات کو استعمال کر کے فیصلے کرتا ہے اور سوچتا ہے۔اس کے لئے انسان اپنے حواس (Senses) استعمال کرتا ہے مثلاً دیکھنا۔سننا۔محسوس کرنا۔ذائقہ کا استعمال وغیرہ۔

(III) اِس کے فیصلوں سے انسانی ذات وجود میں آتی ہے جس کو (Personality) کہتے ہیں۔ یہ ذات انسانی فیصلوں۔تجربات اور تعلیم و تربیت سے نشوونما پاتی ہے۔اِس کی نشوونما کے لئے اقدار کی ضرورت ہوتی ہے۔اقدار کی دو اقسام ہیں۔اضافی اور مستقل۔قانونِ مکافاتِ عمل کا تعلق مستقل اقدار کے ساتھ ہے یعنی اُن میں یہ ایک اہم قدر ہے۔

(IV) انسان کو ذات بنی بنائی نہیں ملتی۔ یہ بطور ممکناتِ زندگی ملتی ہے۔یعنی اس میں جو خوابیدہ خوبیاں رکھی ہوئی ہیں انسان نے قرآنی اقدار کے اندر رہتے ہوئے انہیں باہر لانا ہوتا ہے۔معاشرہ ایسے حالات پیدا کرتا ہے کہ یہ ممکنات باہر آ سکیں۔قرآن ایسے معاشرے کے خدوخال پیش کرتا ہے تا کہ انسان کی جسمانی ضروریاتِ زندگی بھی پوری ہو جائیں اور اُس کی ذات کی نشوونما بھی ہوتی جائے۔یہی انسانی زندگی کا مقصد ہے۔

(V) ایک غیر نشوونما یافتہ ذات کے لئے ضروری ہے کہ کوئی نشوونما یافتہ ذات اُس کے سامنے ہو۔اس کے لئے اللہ نے قرآن میں اپنی مکمل ارتقاء یافتہ ذات کو پیش کیا ہے۔ یہ ایک خارجی معیار کے طور پر انسان کے سامنے ہونی چاہئے تا کہ انسان اپنے اختیار و ارادہ سے وہ فیصلے کرے جن سے اُس کی دنیا کی زندگی بھی اچھی گزر جائے اور وہ آخرت کی زندگی جو کہ ذات کے لیول پر ہوگی وہ بھی بہتر ہوتی جائے۔اگر انسان نے آخرت کی زندگی کو بہتر بنانا ہے تو قرآنی اقدار اُس کی زندگی کی ضرورت ہیں۔

(VI) اس سلسلہ میں ایک اور اہم بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے۔ پوری کائنات میں ذات یا تو اللہ کی ہے یا اس سے نیچے اتر کر انسان کی۔اللہ کی ذات چونکہ مکمل ترین، بلند ترین اور کامل نشوونما یافتہ ہے اس لئے وہی ذات انسانی ذات کے لئے خارجی معیار بن سکتی ہے۔(یہ ذہن میں رکھیں کہ اللہ کی ذات ہمیشہ سے ایسی ہی تھی یعنی وہ غیر ترقی یافتہ سے موجودہ حالت

میں نہیں پہنچی)۔ اللہ ہمیشہ سے موجود ہے اور موجود رہے گا۔ یہ ایک اہم قدر ہے اور اس پر کسی اور وقت بات ہو گی۔

(VII) ذات جہاں بھی ہو گی اُس کے بنیادی خصائص ایک ہی ہوں گے۔ لہٰذا انسانی ذات اور اللہ کی ذات کے صفات ایک ہی ہیں بجز اُن صفات کے جو ذات اللہ کے لئے مخصوص ہیں مثلاً ابدیت، لامتناہیت وغیرہ

قانونِ مکافات عمل کے حوالے سے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ چونکہ جو اعمال انسان کرتا ہے اُن کا اثر ان کی ذات پر ہوتا ہے (انسانی حافظہ اس میں مدد کرتا ہے)۔ اس لئے کوئی دوسرا انسان اِس میں مداخلت نہیں کر سکتا۔ جو کچھ انسان بن جاتا ہے وہ ذات اس کی اپنی ہوتی ہے۔ وہ یہ ذات کسی اور کو نہیں دے سکتا۔ انسانی ذات ناقابلِ تقسیم وحدت (Indivisible) ہوتی ہے جو حصوں میں تقسیم نہیں ہو سکتی۔

مکافات عمل کے قانون کا علم ذہن میں رکھ کر اور اس پر عمل کر کے انسان زندگی کے ہر مرحلہ پر قرآن کی اقدار کی روشنی میں یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اُس کو کون سے راستہ کا انتخاب کرنا ہے۔ اس سے اُس کے فیصلوں کا نتیجہ ہمیشہ صحیح نکلے گا۔ یہ غلط انسانی نظام میں بھی ہمیشہ صحیح تصور ہو گا۔ اگر چہ ایسا لگ سکتا ہے کہ اُس کو عارضی طور پر نقصان بھی برداشت کرنا پڑے۔ اس سلسلہ میں قرآن نے کہا ہے:

جو شخص صلاحیت بخش کام کرے گا اس کا فائدہ اس کی ذات کو پہنچے گا۔ جو اُن کے خلاف چلے گا اس کا وبال اُسی کی ذات پر پڑے گا (41:46)

کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ (6:165)

اس میں قرآن نے یہ کہا ہے کہ دین کے نظام میں ذمہ داری اس طرح سونپی جائے اور اُس کا حساب کتاب رکھا جائے تا کہ ہر ایک اپنی ذمہ داری کو پورا کرے اور خوشی سے کرے کیونکہ اس سے اُس کی ذات کو فائدہ ہو گا۔ اور اسکو اِس کا علم بھی ہو گا۔

آخر میں ایک نظر سے ہم دیکھ سکتے ہیں کہ غیر قرآنی معاشرہ میں جہاں قانون مکافات عمل لاگو نہ ہو اور افراد معاشرہ کو اس کا احساس نہ ہو وہاں کس قسم کے مسائل جنم لیتے ہیں اور کس طرح انسانوں کی کوششیں اور توانائیاں ذات کی نشوونما کے حوالے سے ضائع چلی جاتی ہیں۔ 2026ء کی دنیا میں یہ ہو رہا ہے۔ آج کی دنیا میں کہیں بھی قرآنی فکر پر مبنی نظام نہیں ہے اور سب لوگ اِسی مفروضہ پر زندگی گزار رہے ہیں کہ اُن کی زندگی موت کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ قانون مکافات عمل کی کہیں بات نہیں ہوتی اور اُس پر عمل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اِس سے جیسا کہ قرآن نے کہا ہے کہ جب انسان اپنے آپ کو اپنے اعمال کا ذمہ دار سمجھ کر قرآنی اقدار کے نیچے نہیں آتا تو اُس کی زندگی آخر کار ضائع ہو جاتی ہے اور جب یہ زندگی موت کے ساتھ ختم ہوتی ہے تو اُس کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ (18:104-105)

قانونِ مکافات عمل کو اپنے فائدے کے لئے استعمال کرنا انسانی ذات کی نشوونما کی ضرورت ہے۔ یہ انفرادی طور پر بہت اہم ہے اور اجتماعی طور پر جب نظام اِس کو سامنے رکھ کر تشکیل کیا جائے تو انسانی اجتماعی قوتیں اور توانائیاں نہ صرف بچتی ہیں بلکہ اُن میں انسانی نظاموں کے مقابلہ میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر طاہرہ اکرم، یو ایس اے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کائنات کا اٹل قانون اور انسانی رویے

السلام علیکم!

میں آپ میں سے ہر ایک کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ آپ نے اتوار کے روز اپنی فیملی کا وقت نکالا اور یہاں تشریف لائے۔ میں خاص طور پر آمنہ لطیف اور شکیل مغل صاحب کی تقاریر سے بے حد متاثر ہوئی ہوں، ان کے علم کی گہرائی اور تجزیہ قابلِ تحسین ہے۔

میرا ایک طویل عرصہ امریکہ میں گزرا ہے اور مجھے دنیا بھر میں سیاحت کا موقع ملا۔ جیسے جیسے عمر بڑھ رہی ہے، میری سمجھ اور ادراک میں اضافہ ہو رہا ہے۔ میں باباجی کا درس بھی سنتی ہوں اور قرآن حکیم کا مطالعہ بھی جاری رکھتی ہوں۔ میرا یہ مشاہدہ ہے کہ جب بھی میں 'مفہوم القرآن' پڑھتی ہوں، مجھے اپنی عمر اور تجربے کے مطابق اس کے نئے مطالب سمجھ آتے ہیں۔ قرآنِ کریم قیامت تک کے لیے ہدایت ہے، لیکن اس سے وابستہ رہنا اس لیے ضروری ہے کہ زندگی کے ہر مرحلے پر یہ آپ کو ایک نئے انداز سے گائیڈ کرتا ہے۔

پچھلے کچھ سالوں سے میں نے یہ عہد کیا ہے کہ میں زیادہ تر مسلم ممالک کی سیاحت کروں گی۔ وہاں جو اپنایت اور رشتہ محسوس ہوتا ہے، وہ بے مثال ہے۔ چاہے زبان نہ بھی آتی ہو، صرف 'السلام علیکم' کہنے سے ہی دلوں کے تار جڑ جاتے ہیں۔

دورانِ سفر میں نے محسوس کیا کہ ہم سب قرآن تو پڑھتے ہیں (جیسے دوسرے مذاہب والے اپنی کتابیں پڑھتے ہوں گے)، لیکن افسوس کہ ہم میں سے اکثر اسے صرف 'ثواب' کی نیت سے پڑھتے ہیں۔ ہم ثواب کی بوریاں تو بھر رہے ہیں لیکن عملی طور پر اس کی تعلیمات سے بہت دور ہیں۔

میری گفتگو کا اصل موضوع ''کائنات کا قانون'' (Law of the Universe) ہے۔ مغرب میں ہارورڈ جیسے اداروں کے مفکرین بھی اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ قرآن بہترین قانون ہے، مگر شاید وہ اسے نافذ کرنے سے ڈرتے ہیں۔ قرآن محض تلاوت کی کتاب نہیں بلکہ یہ ایک مکمل 'قانون کی کتاب' ہے۔ جس طرح قطرہ قطرہ مل کر دریا بنتا ہے، اسی طرح قانون کی پیروی سے ہی قومیں بنتی ہیں۔

جب کائنات کے خالق نے اس دنیا کو بنایا، تو اسے اٹل قوانین کے تابع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''میرے کلمات

(قوانین) بدلے نہیں جا سکتے۔'' کائنات کے ذرے ذرے میں 'قانونِ کششِ ثقل' (Law of Gravity) جاری و ساری ہے۔ ستارے اور سیارے اپنے اپنے مدار میں ایک طے شدہ نظام کے تحت حرکت کر رہے ہیں۔ اگر ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے کے برابر بھی ان کی حرکت میں تبدیلی آ جائے، تو پوری کائنات درہم برہم ہو جائے۔ وہ نہ یہ تبدیلی کر سکتے ہیں اور نہ ہی ان میں ایسی جرات ہے۔

کائنات سے نکل کر زمین پر آئیں، یہاں بھی ہر چیز ایک اٹل قاعدے کے تحت ہے۔ ہر عمل کا ایک ردِعمل ہے(Every action has a reaction)۔ پانی ہمیشہ بلندی سے پستی کی طرف بہے گا، سوڈ گری پر ابلے گا اور زیرو پر جمے گا۔ انسان اس فطری قانون کو بدل نہیں سکتا۔ آم کے درخت پر آم ہی لگیں گے اور گندم کے بیج سے گندم ہی اگے گی۔ جانوروں میں بھی یہی فطرت ہے؛ شیر بھوکا مر جائے گا مگر گھاس نہیں کھائے گا اور بکری مرتے دم تک گوشت کو منہ نہیں لگائے گی۔

اب انسانوں کی طرف آئیں، یہاں بھی وہی قوانین ہیں مگر ایک فرق کے ساتھ؛ اور وہ ہے ''اختیار''۔ انسان کو صرف یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ صحیح راستہ چنے یا غلط۔ لیکن یاد رہے، ایک بار راستہ چن لینے کے بعد اس کے ''نتائج'' پر انسان کا کوئی اختیار نہیں رہتا۔ مثلاً: آگ کا کام جلانا ہے۔ ہمیں یہ اختیار ہے کہ ہم آگ میں ہاتھ ڈالیں یا نہ ڈالیں، لیکن اگر ہاتھ ڈال دیا، تو پھر یہ ہمارے اختیار میں نہیں کہ آگ ہمیں نہ جلائے۔ یہ ''مکافاتِ عمل'' کا وہ قانون ہے جس سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔

انہی قوانین پر عمل پیرا ہونے سے افراد اور قوموں کو عروج ملتا ہے اور ان کی خلاف ورزی سے زوال۔ سچ بولنا، وعدہ پورا کرنا، وقت کی پابندی، عدل و انصاف، والدین کا احترام، یتیم کی پرورش، ناپ تول میں دیانت، حلال رزق اور غیبت سے پرہیز؛ یہ وہ قوانین ہیں جو معاشرے کو امن دیتے ہیں۔

ہم اپنی عام زندگی میں بھی دیکھتے ہیں کہ جو دکاندار سچا اور دیانتدار ہو، لوگ دور دور سے اس کے پاس آتے ہیں، چاہے اس کی دکان چھوٹی سی ہی کیوں نہ ہو۔ اور جو بددیانت ہو، اس کی چمک دمک والی دکان بھی لوگوں کو متاثر نہیں کرتی۔ سچا انسان صادق اور امین ہوتا ہے، اور امین کا مطلب ہے امن دینے والا۔

ہمیں اس دنیا میں چند سال رہنا ہے۔ عقل کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اپنی اور دوسروں کی زندگی کو آسان، خوشگوار اور قابلِ بھروسہ بنائیں۔ سب سے پہلے ہم انسان ہیں، پھر عورت یا مرد۔ قرآن کے یہ اصول سب کے لیے برابر ہیں۔ ہم سب نے اپنی اپنی قبر میں جانا ہے اور اپنا حساب خود دینا ہے۔ آیئے آج یہ عہد کریں کہ ہم سچائی کا راستہ اپنائیں گے۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا تھا:

ہزار خوف ہوں لیکن زباں ہو دل کی امین
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

اس قانون پر چلنے سے آپ کے اندر ایک اطمینان اور ٹھہراؤ پیدا ہوگا، اور آپ کے اردگرد رہنے والے بھی آپ کی ذات سے امن اور خوشی پائیں گے۔

شکریہ

شکیل مغل، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسانی سماجی ارتقاء اور قرآن کریم
(تقریر کی تلخیص)

السلام علیکم!

میری ہمیشہ کی طرح، یہ گفتگو اپنے فکری مغالطوں کا اظہار ہے۔ میں نے اپنا جو فکری سفر بابا جی کے ساتھ اور ادارے کے ساتھ اپنایا، اس میں جو سوال ہوتے ہیں وہ میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں اور ان سوالوں میں جو اشکالات آئیں وہ آپ سے شیئر کرتا ہوں۔ اس سفر میں کچھ باتیں میں اچھی سمجھ جاتا ہوں اور کچھ پوری طرح سمجھ میں نہیں آتیں۔ جو بات اچھی سمجھ میں آئے وہ یقیناً اس ادارے اور بابا جی کا اعجاز ہے، اور اگر کہیں کوئی انسانی غوطہ لگ جائے یا ٹھوکر لگ جائے، تو اسے میری فکری یا انسانی لغزش سمجھ کر اگنور کر دیجیے گا۔

ایک عجیب سا لیکن اہم موضوع ہے جس پر ہم ایک بات مان کر چل رہے ہیں کہ قرآن کریم ہماری انسانی کوشش یا ایکسپولریشن (Exploration) کو شارٹ (Short) کرسکتا ہے۔ میں آپ کو تھوڑا پیچھے لے کر جاتا ہوں کہ انسان نے یہ بات ڈیولپ کیسے کی یا یہ بات سوچی کیسے؟ اس کا ایک لاجیکل ریکورس (Logical Recourse) کیا ہوسکتا ہے؟

پہلا انسانی معاہدہ (Social Contract):

مثال کے طور پر، میں آپ کو انسان کی غار کی زندگی (Cave Life) میں لے جاتا ہوں، جہاں ابھی سماجی زندگی کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ انسان درختوں، گپاؤں یا غاروں میں زندگی گزار رہا تھا۔ اس زندگی میں سب سے اہم بات اس کی اپنی حفاظت، خوراک اور بقا تھی۔ انسان اپنے جیسے دوسرے انسانوں کو بھی حیوان یا دشمن سمجھتا تھا۔ اس عروج کے سفر میں انسان کا جو پہلا بانڈ (Bond) ڈیولپ ہوا، وہ مرد اور عورت کا ریلیشن تھا۔ تصور کیجیے کہ ایک مرد اور عورت غار میں بیٹھے ہیں، صبح شکار پر نکلتے ہیں اور شام کو واپس آجاتے ہیں۔ اس ایفرٹ میں کہیں مرد اور عورت کے درمیان انسیت کا جذبہ پیدا ہوا اور مرد نے ساتھ رہنے کی آفر کی۔

عورت نے پوچھا ہوگا کہ: ''اگر میں تمہارے ساتھ رہوں گی تو میرے کھانے کی اور میری سیکیورٹی کی حفاظت کون کرے گا؟'' مرد نے سوچنے کے بعد اسے تین چیزیں آفر کیں: سوشل سیکیورٹی، فنانشل سیکیورٹی اور ایموشنل سیکیورٹی۔ یہ وہ پہلا کانٹریکٹ تھا جہاں عورت نے مودت، سکینت اور خاندان کی پرداخت کی ذمہ داری لی۔ آج بھی نکاح کے کانٹریکٹ میں مرد کو یہی تین چیزیں ایکسٹینڈ کرنی ہوتی ہیں۔ اس بانڈنگ کو سیکھنے میں انسان کو شاید لاکھوں سال لگ گئے ہوں گے، لیکن بہرحال انسان نے یہ پہلا کانٹریکٹ سیکھ لیا۔

سماج کا ارتقاء اور شناخت کے دائرے:

جب دو انڈویجولز (Individuals) نے مل کر پہلا یونٹ بنایا تو پھر گاؤں اور قصبے بننے شروع ہوئے۔ پہلا کانٹریکٹ مرد اور عورت کے تعلق پر تھا، جبکہ دوسرا کانٹریکٹ جغرافیے کی بنیاد پر ڈیولپ ہوا۔ جو پنجاب میں تھے وہ پنجابی بن گئے، جو سندھ میں تھے وہ سندھی۔ اسی کی اگلی ایکسٹینشن زبان اور پھر بلڈ لائن (Bloodline) یا نسل کی بنیاد پر آئی۔ قبیلے بن گئے جہاں ایک ہی باپ دادا کی نسل اکٹھی رہنے لگی۔

شناخت کے یہی دائرے (حسب نسب، قبیلہ، زبان) ہمارے تعصب بھی بن گئے۔ جب بھی اس شناخت پر آنچ آئی، ہم نے دوسرے انسانوں کو تہ تیغ کیا۔ اس ارتقائی سفر میں انسان نے سوچا ہوگا کہ اب ''حکم'' کس کا چلے گا؟ پہلے طاقت کی بنیاد پر سردار چنے گئے، پھر بلڈ لائن کی بات آئی کہ سردار کا بیٹا سردار ہوگا۔ ذمہ داریوں کی تقسیم (Division of Responsibilities) پر سوال آئے۔ بوڑھوں کا رول کیا ہوگا؟ خواتین کا کردار کیا ہوگا؟ کمانے والا کتنا کھائے گا؟ یہ تمام فارمولے انسان نے 63 لاکھ سال (3.6 Million Years) کے لہولہان سفر میں سیکھے۔

فرعونیت، ہامانیت اور قارونیت کی تثلیث:

انسانی سماج کے سامنے مقصد (Purpose) صرف مادی بقا تھی۔ جب اصول بقائے زندگی کے ہوں تو قانون وہی بنے گا جو طاقتور کو سوٹ کرے۔ اس طاقت کو نافذ کرنے کے لیے ایک ''قوتِ نافذہ'' چاہیے تھی۔ قرآن کریم نے اس کی تثلیث (Triangle) کو فرعونیت، ہامانیت اور قارونیت سے تشبیہ دی ہے۔ فرعون سیاسی زندگی کا نمائندہ، قارون سرمایہ دار اور ہامان وہ پیشوا جو خدا کے نام پر اس نظام کو تحفظ دیتا ہے۔ یہ ٹرائنگل آج بھی ہماری سوسائٹی میں موجود ہے۔

عرب معاشرہ اور بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جاہلیت کے زمانے میں ہوئی۔ مجھے وہاں جاہلیت نظر نہیں آتی۔ وہاں مذہبی اور سماجی رواداری کی یہ انتہا تھی کہ کعبہ میں 360 خدا رکھ دیے گئے تا کہ کسی قبیلے کو پرابلم نہ ہو اور کاروبار چلتا رہے۔ ویمن ایمپاورمنٹ کی مثال دیکھیے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا مکہ میں بیٹھ کر ملٹی نیشنل کمپنی چلا رہی تھیں۔ انہیں بغیر انٹرنیٹ کے پتہ تھا کہ کس علاقے میں کیا پروڈیوس ہوگی، قیمت کیا ہوگی اور ٹریڈ قوانین کیا ہیں۔ ان کا

(بقیہ صفحہ نمبر: 34 پر ملاحظہ کریں)

سالانہ کنونشن ادارہ طلوعِ اسلام
(سیمینار)

منعقدہ مورخہ 5 اپریل 2026ء

اسٹیج کا ایک منظر (دائیں سے بائیں) شکیل مغل، خورشید انور، آمنہ لطیف، ڈاکٹر طاہرہ اکرم

حاضرینِ مجلس کا ایک منظر

اسٹیج کا ایک منظر (دائیں سے بائیں) شکیل مغل، خورشید انور، آمنہ لطیف، ڈاکٹر طاہرہ اکرم

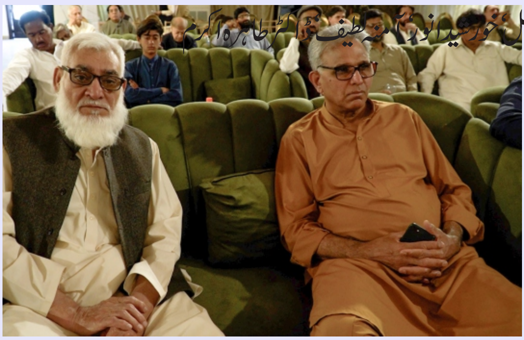

سماعت گاہ کے مناظر

حاضرینِ مجلس کا ایک منظر

سامعینِ کرام

سماعت گاہ کے مناظر

حاضرینِ مجلس کا ایک منظر

آمنہ لطیف خیالات کا اظہار کرتے ہوئے

سماعت گاہ کے مناظر

سماعت گاہ کا ایک منظر

شکیل مغل اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے

حاضرینِ مجلس کا ایک منظر

سماعت گاہ کا ایک منظر

ڈاکٹر طاہرہ اکرم اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے

سماعت گاہ کا ایک منظر

خورشید انور چیئرمین ادارہ خطاب کرتے ہوئے

حاضرینِ مجلس کا ایک منظر

سماعت گاہ کا ایک منظر

نوجوان شرکاء اپنے تاثرات ریکارڈ کرواتے ہوئے

سماعت گاہ کا ایک منظر

سالانہ کنونشن ادارہ طلوعِ اسلام

سماعت گاہ کے مناظر

منعقدہ مورخہ 4 اپریل 2026ء

سماعت گاہ کے مناظر

آصف جلیل نظامت کے فرائض ادا کرتے ہوئے

رابطۂ باہمی اور مجلسِ استفسارات

4 اپریل 2026ء

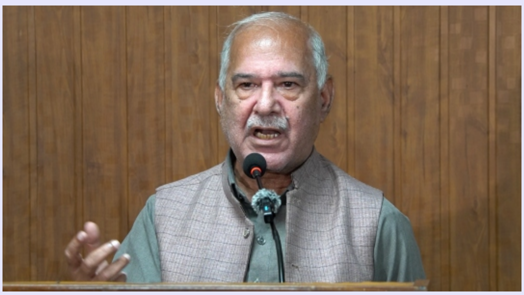

شام 14 اپریل 2026ء

عمران شاہد اظہارِ خیال کرتے ہوئے

سماعت گاہ کے مناظر

ڈاکٹر طاہرہ اکرم اور ڈاکٹر نیلم نوید اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے

سامعین سوالات کرتے ہوئے

سامعین سوالات کرتے ہوئے

سامعین سوالات کرتے ہوئے

پروفیسر ڈاکٹر صالحہ نغمی اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے

پریمیم بزنس تھا اور عربوں کو خاتون کے بزنس کرنے سے کوئی پرابلم نہیں تھی۔

زباندانی میں وہ خود کو ''عرب'' (بولنے والا) اور باقی دنیا کو ''عجم'' (گونگا) کہتے تھے۔ یہ کوئی جاہلوں کا دور نہیں تھا، بڑے سیانے لوگ بیٹھے تھے جنہیں قرآن کریم کی آفاقی تعلیمات دینی تھیں۔

قرآن کریم: انسانی مسائل کا حقیقی حل

انسان نے لاکھوں سال کی جنگوں، ذلتوں اور تجربوں کے بعد جو حل نکالے، قرآن کہتا ہے کہ میں تمہیں وہ شارٹ کٹ دیتا ہوں۔ اللہ نے چیلنج کیا کہ ''ایک سورۃ بنا کر لے آؤ''۔ سورۃ کا مطلب گرامر کا ڈھانچہ نہیں بلکہ ایک ''سوشل نریٹو'' (Societal Narrative) ہے۔ اللہ نے کسی موضوع (سود، نکاح، طلاق، وراثت) کو اٹھایا اور چند جملوں میں اس کا آغاز، انسانی تجربے، چالاکیاں اور بہترین حل بتا کر اسے ایک ''فصیل'' (سورہ) میں بند کر دیا۔

اگر تمہارے پاس انسانی مسائل کا اس سے بہتر کوئی حل ہے تو لے آؤ! اور یہ بات صرف خدا ہی کہہ سکتا ہے۔

محکم اقدار (Permanent Values):

آج ہم بحیثیت مسلمان یہ سمجھانے میں کمزور پڑ گئے ہیں کہ یہ قرآن انسانی مسائل کا حتمی اور حقیقی حل ہے۔ ہم نے ہر مسئلے کو دوبارہ ٹرائل اینڈ ایرر (Trial and Error) سے سمجھنا شروع کر دیا ہے۔ قرآن نے جو محکم اقدار (Permanent Values) دی ہیں، جیسے: ہر انسان کریم ہے، ہر انسان کے ساتھ عدل ہوگا، ہر ایک کے پاس گروتھ کی برابری ہوگی۔ ان اقدار کو پرائم رکھا جانا چاہیے۔

آج کا کوئی بھی نیا مسئلہ ہو، اگر ہم ان محکم اقدار کو سامنے رکھیں اور سب سے بڑے سبجیکٹ اسپیشلسٹ (اولوالالباب) مل کر بیٹھیں، تو جو حل بھی نکلے گا، خدا اسے اون (Own) کرتا ہے۔

شکریہ

سانحۂ ارتحال

محترم ڈاکٹر محمد سلیم قمر صاحب کی شریکِ حیات کے انتقال کی خبر نے دل کو دکھ اور صدمے سے دوچار کر دیا۔ اس سانحۂ ارتحال پر ہم سب رنجیدہ اور غمگین ہیں۔

اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے، ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب کرے۔ اللہ رب العزت ڈاکٹر صاحب اور تمام اہلِ خانہ کو اس عظیم صدمے کو صبر و حوصلہ کے ساتھ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور انہیں اجرِ عظیم سے نوازے۔ آمین یا رب العالمین۔

ادارہ اس دکھ کی گھڑی میں ڈاکٹر صاحب کے غم میں برابر کا شریک ہے اور دلی تعزیت و ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

آمنہ لطیف، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن کس طرح انسانی کوشش اور وقت بچاتا ہے

آج کل کے دور میں ہمارا وقت اور محنت ہمارا سب سے قیمتی سرمایہ ہیں۔ ہر انسان ہر وقت مصروف ہے۔ اگر جسمانی طور پر نہیں، تو ذہنی طور پر کوئی نہ کوئی سوچ یا فکر اسے جکڑے ہوئے ہے۔ ایک دوڑ لگی ہوئی ہے، وقت کم ہے اور مسائل زیادہ۔ افراتفری کا ماحول ہے۔ ایسے میں پھر انسان اللہ کی طرف

رجوع کرتا ہے، تاکہ کچھ ٹھہراؤ لائے، زندگی کو آسان بنائے، کوششوں کو مؤثر اور وقت کو ضائع ہونے سے بچائے۔

ان سب کے لیے اللہ کی کتاب قرآن ہمیں مکمل رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

سب سے پہلے، قرآن انسان کو ایک واضح مقصدِ حیات دیتا ہے۔ جب انسان کو اپنی زندگی کا مقصد معلوم ہو جائے تو وہ اپنی جدوجہد اور توجہ اسی پر مرکوز کر دیتا ہے۔ دوسرے کام اسے غیر ضروری نظر آنے لگ جاتے ہیں اور وہ ان پر وقت اور کوشش ضائع نہیں کرتا۔

اللہ فرماتے ہیں:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾ (51:56)

''اور میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔''

ہماری زندگی کا اصل مقصد اپنے خالق کی بندگی ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ بطور خلیفہ اپنے مقام اور کام کو سمجھا جائے۔ اور تسلیم اور تقسیم کے نظام کو قرآن کے مطابق اپنی زندگی میں اور دنیا میں نافذ کرنے کی کوشش کی جائے۔ اپنی سوچ اور اعمال کو اگر اس مقصد کے مطابق ڈھال لیا جائے تو وقت اور محنت دونوں بچ جاتے ہیں۔

دوسرا، قرآن ہمیں سیدھا سچا، مستقیم راستہ دکھاتا ہے۔

اللہ فرماتے ہیں:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ (17:9)

’’بے شک یہ قرآن اس راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو سیدھا ہے، مستحکم ہے۔‘‘

اگر انسان کو صراط مستقیم کی شناخت ہو جائے، تو وہ تقویٰ یعنی احتیاط اختیار کرتا ہے۔ ایسے کام نہیں کرتا جن سے غلطی اور پچھتاوا ہو۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اصول پر اپنی زندگی گزارتا ہے۔ یہ قرآن کی خصوصیت ہے جو ہماری کوششوں کو مختصر اور نتیجہ خیز بنا دیتی ہے۔

قرآن فیصلہ سازی میں آسانی پیدا کرتا ہے۔ آج ہم ایسے زمانے میں جی رہے ہیں جہاں معلومات کی کوئی کمی نہیں۔ سوشل میڈیا، انٹرنیٹ، مختلف نظریات اور آراء بی ہر طرف خیالات کا ایک ہجوم ہے۔ ہر شخص اپنی بات کو باوثوق طریقے سے بیان کرتا ہے۔

نتیجہ؟

کنفیوژن، الجھاؤ، شک و شبہات، اور ذہنی انتشار۔

ایسے میں صحیح، غلط میں فرق کرنا، اپنا راستہ چننا مشکل ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کو ’’فرقان‘‘ قرار دیتے ہیں:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ (25:1)

برکت والی ہے وہ ذات جس نے نازل کیا فرقان اپنے بندے پر

’’فرقان‘‘ ہمیں یہ صلاحیت دیتا ہے کہ ہم صحیح یا غلط میں فرق پہچان سکیں۔

جب انسان کے پاس یہ قرآنی فکر اور سمجھ نہیں ہوتی، تو وہ ہر نئی بات سے متاثر ہو جاتا ہے۔ کبھی ایک رائے درست لگتی ہے، کبھی دوسری۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی توانائی اور وقت صرف سوچنے، الجھنے اور فیصلہ نہ کر پانے میں ضائع ہو جاتا ہے۔ لیکن جب قرآن کو معیار بنا لیا جائے، تو سوچ میں سادگی اور وضاحت آ جاتی ہے۔ قرآن کے دائمی اصولوں کی بنیاد پر ہم فوری اور درست فیصلہ کر سکتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا (4:174)

’’اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل آ گئی ہے اور ہم نے تمہاری طرف ایک روشن نور نازل کیا ہے۔‘‘

جب دلیل قرآن سے ہو تو شک و شبہات کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے، انتخاب واضح ہو جاتا ہے۔ نور اندھیروں کو ختم کرتا ہے، ذہنی دھند اور ابہام کو دور کرتا ہے۔

اسی طرح قرآن ہمیں یہ بھی سکھاتا ہے کہ ہر بات کے پیچھے نہ بھاگیں:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْــــُٔـوْلًا (17:36)

اور اس چیز کے پیچھے نہیں لگو جس کا تمہیں علم نہیں، کیونکہ سماعت اور بصارت اور دلی جذبات، ان میں سے ہر ایک کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

یہ آیت ہمیں فکری نظم دیتی ہے۔ کہ ہم ہر سنی سنائی بات پر یقین نہ کریں، ہر نئے trend کو follow نہ کریں، بلکہ سوچ سمجھ کر، تحقیق کے ساتھ آگے بڑھ سکیں۔

زندگی صرف جسمانی چیلنجز تک محدود نہیں۔ ہم سب خوف، پریشانی، اور غیر یقینی حالات سے بھی گزرتے ہیں۔ ایسے لمحات میں انسان کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے، فیصلے کمزور ہو جاتے ہیں، اور وقت بھی بے چینی کی نظر ہو جاتا ہے۔ ایسے میں قرآن ہمارے دلوں کو مضبوطی اور سکون عطا کرتا ہے۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ؀ (13:28)

''کیا نہیں ہے اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان حاصل؟''

جب انسان اللہ پر بھروسہ کرنا سیکھ لیتا ہے، تو وہ اپنی زندگی بھرپور طریقے سے محنت اور لگن کے ساتھ گزارتا ہے۔

آخر میں، قرآن ہمیں سادہ اور آسان زندگی کا درس دیتا ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ (2:185)

''اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لیے مشکل نہیں چاہتا۔''

اللہ کا دین فطری طور پر کیسے مشکل ہو سکتا ہے؟ جب ہم قرآن کی روشنی میں زندگی گزارتے ہیں، تو غیر ضروری پیچیدگیاں ختم ہو جاتی ہیں، اور وقت اور محنت دونوں بچ جاتے ہیں۔

غرض، قرآن ہمیں مقصد دیتا ہے، سیدھا راستہ کی نشاندہی کرتا ہے، فیصلے آسان کرتا ہے، زندگی میں توازن لاتا ہے، دل کو سکون دیتا ہے اور آسانی کا راستہ دکھاتا ہے۔

یہ تمام پہلو مل کر ہماری زندگی کو مؤثر بناتے ہیں، ہماری کوششوں کو نتیجہ خیز بناتے ہیں، اور ہمارے قیمتی وقت کے صحیح استعمال میں ہماری مدد کرتے ہیں، تاکہ ہم شکر گزاری کے ساتھ اپنے فرائض کی ادائیگی کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن کو سمجھنے، اس پر عمل کرنے، اور اپنی زندگیوں میں اسے نافذ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لغات القرآن

ق و م

قَامَ۔ قِیَاماً۔ کھڑا ہونا‘ متوازن ہونا‘ کسی معاملہ کا اعتدال اور توازن پر ہونا۔ محکم اور استوار ہونا‘ ثابت اور دائم رہنا۔ کسی کام کو ہمیشہ کرتے رہنا‘ رک جانا‘ کسی جگہ ٹھہر جانا۔ بارونق ہونا❶۔ اَقَامَ درست اور سیدھا کیا‘ کھڑا کیا❶۔

قَامَ الرَّجُلُ الْمَرْأَۃَ وَقَامَ عَلَیْھَا مرد نے عورت کی کفالت کی‘ اس کی ضروریات کو پورا کیا اور ان کا ذمہ دار ہوا‘ اس کے لئے رسد لایا۔ قَوَّامٌ سامان رزق مہیا کرنے والا‘ کیونکہ رزق سے معاشرتی زندگی کا توازن قائم رہتا ہے❶۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ [4:34] کے یہی معنی ہیں۔ یعنی تقسیم کار کی رو سے مردوں کے ذمہ یہ ہے کہ وہ عورتوں کی ضروریات زندگی کے کفیل ہوں کیونکہ انہیں بچوں کی پرورش اور تربیت میں مصروف رہنا پڑتا ہے۔ اس کے معنی حاکم یا داروغہ نہیں ہیں۔ نیز قَوَّمَ الشَّیْءَ کے معنی ہیں کسی چیز کو صحیح طور پر برابر اور ہموار کر دینا یا درست کر دینا❶۔

قَوَامٌ۔ عدل و توازن۔ وہ سامان جس کے ذریعے زندگی گزاری جائے۔ اتنا کچھ جس سے صرف ضروریات زندگی پوری ہو سکیں۔

قِوَامٌ۔ وہ چیز جس پر کسی معاملہ کا دار و مدار ہو۔ وہ جس کے سہارے کوئی معاملہ کھڑا رہ سکے۔ اتنی روزی جو انسان کو کھڑا رکھ سکے۔ چنانچہ فُلَانٌ قِوَامُ اَھْلِ بَیْتِہٖ کے معنی ہیں فلاں شخص اپنے گھر والوں کی ضروریات پوری کرنے والا ہے❶۔

قَامَۃٌ۔ آدمی کا قد۔ قد کا متوازن طول۔ حسن قامت❶۔ قِیْمَۃٌ کسی چیز کا بدل❶۔ جب ایک چیز کی جگہ دوسری چیز رکھ دی جائے اور وہ اس کے برابر تصور کر لی جائے‘ تو وہ اس کی قِیْمَۃٌ ہو جائے گی۔ اِسْتَقَامَ الْاَمْرُ کسی معاملہ کا معتدل و متوازن ہو جانا❶۔ مُسْتَقِیْمٌ معتدل و متوازن‘ ٹھیک ٹھیک توازن و تناسب لئے ہوئے❶۔ تَقْوِیْمٌ عدل و توازن برقرار کرنا❶۔ (تَقْوِیْمُ الْبُلْدَانِ جغرافیہ کے نقشہ کو کہتے ہیں۔ اور آج کل تَقْوِیْمٌ کا لفظ کیلنڈر‘ جنتری کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے❷)۔

مَقَامٌ۔ کھڑے ہونے کی جگہ❶۔ قَیُّوْمٌ۔ وَقَیَّامٌ اپنی مخلوق کے معاملات کی اسطرح تدبیر کرنے والا کہ ان کی پیدائش اور روزی بہم پہنچانے کا بندوبست کرے اور ان کے رہنے کے مقامات کا علم رکھے۔ جو ہر چیز پر نگران ہو۔ نیز قَیُّوْمٌ کے معنی قائم بالذات بھی ہیں۔ یعنی جو اپنے قیام کے لئے کسی کا محتاج نہ ہو‘ لیکن اس کے بغیر کسی چیز کے قیام کا تصور بھی نہ کیا جا سکے۔ [2:255; 20:111]❸۔ اَمْرٌ قَیِّمٌ کے معنی ہیں مستقیم و مستوی امر۔ معتدل و متوازن کام❶۔ خُلُقٌ

❶ تاج ❷ محیط ❸ تاج و لطائف اللغہ

قَیِّمٌ متوازن اخلاق۔ دِیۡنٌ قَیِّمٌ ایسا دین جس میں ہر شے متوازن ومتناسب ہو۔ کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ وہ مستقیم ومتوازن قوانین جو حق کو باطل سے واضح کر دیں ❶ ۔ قَوۡمٌ مردوں اور عورتوں کی جماعت، یا صرف مردوں کی جماعت جس میں عورتیں نہ ہوں ❶ ۔

مفردات امام راغب میں ہے کہ قِیَامٌ لِلشَّیۡءِ سے کسی چیز کی رعایت اور حفاظت مقصود ہوتی ہے اور کبھی قِیَامٌ عزم اور پختہ ارادے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور قِیَامٌ اور قِوَامٌ اس چیز کو کہتے ہیں جس سے کوئی چیز مضبوط اور مستحکم رہ سکے۔ قَیُّوۡمٌ ہر چیز کا نگران۔ نیز اسے استحکام وتوازن بخشنے، حفاظت کرنے اور وہ تمام چیزیں مہیا کرنے والا جو اس کی بقاء و استحکام کے لئے ضروری ہیں۔

قِیَامَۃٌ کا اصلی مفہوم ہے انسان کا یکبارگی اٹھ کھڑے ہونا۔ یہ لفظ قِیَامٌ کے آخر میں ''ۃ'' کے اضافہ سے بنا ہے جس سے مطلب ہے یکبارگی ہونا۔ اَلۡقِیَامَۃُ سے مراد اس خاص گھڑی کا واقع ہو جانا ہے جس میں انسان یکبارگی کھڑا ہو جائے۔

اِقَامَۃُ الشَّیۡءِ۔ کسی چیز کا پورا پورا حق ادا کر دینا۔ نیز اَلۡاِقَامَۃُ فِی الۡمَکَانِ کسی جگہ جم کر رہنے کے معنوں میں آتا ہے ❷ ۔ اس سے مُقِیۡمٌ، ہمیشہ رہنے والے کے لئے آتا ہے۔

تصریحات بالا سے ظاہر ہے کہ اس لفظ کے بنیادی معنی توازن قائم رکھنے کے ہیں۔ لہٰذا اس مادہ سے جتنے الفاظ آئیں گے ان میں یہ بنیادی مفہوم ضرور موجود رہے گا۔ خواہ یہ توازن جسمانی ہیئت و پیکر کا ہو، یا معاشرتی اور تمدنی توازن، یا نفسیاتی توازن۔ جس چیز کا توازن بگڑ جائے وہ قائم (کھڑی) نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ قصہ حضرت موسیٰؑ کے ضمن میں یتیم بچوں کی دیوار کے متعلق ہے جِدَارًا یُّرِیۡدُ اَنۡ یَّنۡقَضَّ فَاَقَامَهٗ [18:77] وہ دیوار گرا چاہتی تھی تو اس نے اسے قائم (کھڑا) کر دیا۔ اسی سورۃ (کہف) کے شروع میں قَیِّمًا کے پہلے لَمۡ یَجۡعَلۡ لَّهٗ عِوَجًا [18:1] سے واضح کر دیا کہ قَیِّمٌ وہی چیز ہو سکتی ہے جس میں کسی قسم کی کجی نہ ہو۔ اس سے دِیۡنُ الۡقَیِّمَۃِ [98:5] اور کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ [98:3] کے معنی واضح ہیں۔ خود قرآنِ کریم کے متعلق ہے کہ وہ ایسی راہ بتاتا ہے جو اَقۡوَمُ [17:9] ہے۔ یعنی سب سے زیادہ سیدھی اور متعدل۔ اور انسان کے متعلق ہے کہ اسے اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ [95:4] میں پیدا کیا گیا ہے۔ یعنی بہترین توازن کا حامل۔ بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِیۡمِ [17:35] ''سیدھی ترازو'' سے مُسۡتَقِیۡمٌ کے معنی واضح ہیں۔ یعنی سیدھی راہ ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ اس قدر متوازن کہ ذرا سی افراط وتفریط بھی اس کا توازن بگاڑ دے۔ جس طرح سورۃ فرقان میں افراط وتفریط کی دو راہوں کے درمیان، اعتدال کی روش کو کَانَ بَیۡنَ ذٰلِکَ قَوَامًا [25:67] کہا گیا ہے۔

سورۃ بقرہ میں مَشَیٌ کے مقابلہ میں قَامَ لا کر [2:20] بتا دیا ہے کہ اس کے معنی رک جانے اور ٹھہر جانے کے ہیں۔ نیز ظَعۡنٌ (کوچ) کے مقابلہ میں اِقَامَۃٌ سے اس کا مفہوم واضح کر دیا ہے [16:80]۔ اسی طرح سورہ ہود میں اجڑی ہوئی بستیوں (حَصِیۡدٌ) کے مقابلہ میں قَآئِمٌ [11:100] لا کر یہ واضح کر دیا ہے کہ اس کے معنی آباد اور پر رونق کے ہیں۔ نیز

---

❶ تاج ❷ راغب

لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ [15:76] کے معنی بھی بارونق اور چلتے ہوئے راستے کے ہیں۔ سورۃ تکویر میں لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ [81:28] سے الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ [1:5] پر چلنے کی وضاحت ہوجاتی ہے۔

قِيَامَةٌ کا لفظ قرآنِ کریم کی ان بنیادی اصطلاحات میں سے ہے جن کا مفہوم بڑا جامع ہوتا ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا جاچکا ہے' (امام راغب کے قول کے مطابق) اس کا مفہوم ہے ایسا قیام جو یکبارگی واقع ہوجائے۔ اس دنیا میں قِيَامَةٌ کسی قوم کی وہ نشاۃ ثانیہ (حیات جدید) ہے جو انقلاب کی رو سے ظہور میں آئے۔ یعنی وہ قوم یکبارگی اٹھ کھڑی ہو۔ اور مرنے کے بعد دوسری زندگی تو ہے ہی ایک انقلابی ظہور۔ قیامت' آخرت' ساعت' بعث' وغیرہ الفاظ کا مفہوم قرآنِ کریم کے مختلف مقامات میں سامنے آجاتا ہے۔ ان مقامات میں یہ دیکھنا ضروری ہوگا کہ متن کے اعتبار سے متعلقہ لفظ کے معنی اس دنیا میں انقلاب اور نشاۃ ثانیہ ہیں یا اُخروی زندگی کا بعث وقیام۔ [شاہ ولی اللہؒ۔ حجۃ اللہ البالغہ۔ کتابُ الفِتَن میں لکھتے ہیں کہ ''زبان شریعت میں حشر کے دو معنی ہیں۔ ایک ملک شام میں لوگوں کا جمع ہونا۔ قیامت سے پیشتر یہ واقعہ اس وقت ہوگا جب زمین پر لوگوں کی قلت ہوجائے گی تو بعض لوگ مختلف تقریبوں کی وجہ سے اور بعض لوگ آگ (جنگ) کی وجہ سے وہاں جمع ہوں گے [1]۔ دوسرے حشر کے معنی ہیں موت کے بعد اکٹھا ہونا'']۔ اسی طرح قیامت کا لفظ بھی اس دنیا میں قیام اور موت کے بعد کے قیام کے لئے بولا جائے گا۔

قوم' قومیت' جب انسان نے انفرادی زندگی سے آگے بڑھ کر تمدنی اور اجتماعی زندگی شروع کی تو اس کا آغاز لامحالہ خاندان اور قبیلہ سے ہونا تھا۔ چنانچہ ایک خاندان (اور خاندان سے آگے بڑھ کر ایک قبیلہ) کے افراد ایک وحدت قرار پاگئے جن میں وجہ جامعیت خون کا رشتہ (یا نسبی تعلق) تھا۔ جب مختلف گروہوں میں باہمی مفاد کا تصادم ہوا تو ایک گروہ دوسرے گروہ کا دشمن بن گیا۔ اس طرح ایک قبیلہ کے افراد میں باہمی عصبیت اور دوسرے قبیلہ کے افراد کے خلاف نفرت اور عداوت کے جذبات بیدار ہوگئے۔ اور یوں انسانی وحدت (مختلف ٹکڑوں میں تقسیم ہوکر) پارہ پارہ ہوگئی۔ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ دورِ حاضر کی سیاسی اصطلاح میں اسے قومیت' یا نیشنلزم کہتے ہیں جس نے دنیا کو جہنم بنا رکھا ہے۔ اس میں صرف اس قدر اضافہ ہوا ہے کہ بعض ممالک میں (ایک نسل کے بجائے) ایک وطن کی چاردیواری میں رہنے والے افراد کو ایک قوم قرار دے دیا جاتا ہے۔

اسلام نے انسانوں کی تقسیم کا یہ اصول بدل دیا اور کہہ دیا کہ ایک نظریۂ زندگی کے ماننے والے انسان (بلا لحاظ نسل' زبان' وطن) ایک برادی کے افراد ہیں اور اس کے برعکس نظریہ کے قائل' دوسری برادری کے افراد۔ قرآنِ کریم کی اصطلاح میں اسے ایمان اور کفر کی تفریق' اور دورِ حاضر کی اصطلاح میں آئیڈیالوجی کی تمیز کہتے ہیں۔ لہٰذا قرآنِ کریم کی رو سے دنیا میں قومیں دو ہی ہیں۔ ایک وہ جو قرآنی ضابطۂ حیات کو صحیح مانتے ہیں اور دوسرے وہ جو اس کے خلاف کسی اور مسلک حیات کے قائل ہیں [64:2]۔ جب حضرت نوحؑ سے کہا گیا تھا کہ خود تیرا بیٹا بھی تیرے اپنوں میں سے نہیں [11:46] کیونکہ وہ ایمان نہیں لایا تھا تو وہ اسی اصول کا اعلان تھا۔ اسی طرح جب حضرت لوطؑ سے کہا گیا کہ تیری بیوی بھی تیرے اپنوں میں سے نہیں کیونکہ وہ ان کی جماعت میں داخل نہیں ہوئی تھی' تو وہ بھی اسی اصول کی بنا پر تھا۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے پہلے اپنے باپ

[1] غالباً مغلوں کے شام پر حملہ کی طرف اشارہ ہے جو تیمور کی زیر سرکردگی ہوا تھا۔ خود شاہ صاحب نے اس کا ذکر چند سطور آگے چل کر کیا ہے۔

اور پھر ساری قوم سے کہہ دیا تھا کہ تم میرے اپنے نہیں ہو سکتے جب تک تم خدا پر ایمان نہ لاؤ' تو وہ بھی اسی حقیقت کا اظہار تھا [60:4]۔ اس کے برعکس انہوں نے اس اصلِ عظیم کا اعلان کیا تھا کہ میرے اپنے وہ ہیں جو میرا اتباع کرتے ہیں [14:36]۔ اسی معیار کے مطابق' خدا کے آخری نبیؐ نے ایک عالمگیر برادری کی تشکیل کی جب کہا کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ [49:10] ''سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں'' خواہ ان کا رنگ' نسل' زبان' وطن' کوئی بھی ہو۔

یہ ہے صحیح قومیت کا معیار جس کی رو سے قرآنِ کریم' انسانوں کی عالمگیر برادری کی تشکیل کرنا چاہتا ہے۔ اب دنیا' قومیت کے غلط اصول سے تنگ آ کر خود اس حقیقت کی معترف ہو رہی ہے کہ انسانوں کے لئے صحیح وجہ جامعیت ہم آہنگی فکر و نظر (آئیڈیالوجی کی یکسانیت) ہے' نہ کہ اشتراکِ رنگ و وطن۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک دنیا قرآنی اصولِ زندگی کو اختیار نہیں کرتی عالمِ انسانیت میں کبھی امن قائم نہیں ہو سکتا۔ اسی سے وہ عالمگیر برادری وجود میں آ سکتی ہے جو انسانوں کی خود ساختہ حدود و قیود سے بلند ہو کر وحدتِ انسانیت کے اصول کی حامل ہوگی۔ یہی قرآنی معاشرہ کا مقصود و منتہیٰ ہے۔

قرآنِ کریم نے جماعتِ مومنین کے مسلک اور روشِ زندگی کو الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سے تعبیر کیا ہے [1:5]۔ یعنی سیدھی اور توازن بدوش راہ۔ یہ چیز ایک عظیم حقیقت کی طرف دلالت کرتی ہے۔ قرآنِ کریم سے پہلے' اربابِ فکر اور اہلِ مذاہب' زندگی کی حرکت کو دوری (Cyclic) تسلیم کرتے تھے۔ حکمائے یونان نے جب دیکھا کہ آسمان کے مختلف کرے گول ہیں تو انہوں نے یہ خیال کیا کہ مقصودِ فطرت ''دائرہ'' ہے' سیدھا چلنا نہیں۔ اس اعتبار سے انہوں نے سب سے پہلے یہ نظریہ ایجاد کیا کہ کائنات کی حرکت دوری ہے۔ یعنی وہ ایک متعین دائرے میں گردش کر رہی ہے' آگے نہیں بڑھ رہی۔ اسی سے فیثا غورث نے تناسخ کا نظریہ قائم کیا۔ یعنی یہ نظریہ کہ انسانی روح' جون بدل بدل کر' بار بار اس دنیا میں' مختلف قالبوں میں آتی ہے۔ روح کو اس چکر سے نجات مل جانا' مقصودِ حیات ہے۔ یہی تصور ہندوؤں کے فلسفہ کی بنیاد ہے اور اسی پر ان کے تصوف (یوگ) کی عمارت بھی استوار ہوتی ہے۔ یعنی انسانی روح درحقیقت خدا کی روح (پرم آتما) کا ایک جزو ہے جو اپنی اصل سے الگ ہو کر' زندگی کے چکر میں پھنس چکی ہے۔ اس کا ان چکروں سے آزادی حاصل کر لینا اور پھر سے اپنے کل سے جا ملنا' مقصودِ زندگی ہے' یہی تصور مجوسیوں کے ہاں پایا جاتا ہے اور اسی سے ''وحدت الوجود'' کا نظریہ مستعار لیا گیا ہے جو ہمارے تصوف کی بنیاد ہے۔ یہی ''چکر'' عیسائیت اور یہودیت میں ملتا ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ ہر بچہ اپنے اولین ماں باپ (آدم و حوا) کا گناہ' پیدائشی طور پر اپنے ساتھ لاتا ہے۔ اگر وہ حضرت مسیحؑ کے کفارہ پر ایمان لے آتا ہے تو وہ گناہ اس سے دھل جاتا ہے اور وہ جنت میں چلا جاتا ہے۔ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ ان کے اسلاف سے جو چند دنوں کے لئے (گوسالہ پرستی کی) غلطی ہو گئی تھی اس کی پاداش میں انہیں چند دنوں کے لئے جہنم میں جانا پڑے گا۔

آپ نے دیکھا کہ ان تمام نظریات کا ماحصل یہ ہے کہ انسانی زندگی کا منتہیٰ اور مقصود وہ کچھ ہو جانا ہے جو وہ پہلے تھی۔ یعنی اس میں آگے بڑھنے یا ترقی کرنے کا سوال نہیں۔ (As you were) ہو جانا مقصودِ حیات ہے۔ دوری حرکت (Cyclic Movement) سے یہی مراد ہے۔ یعنی ایک دائرے میں گردش کرتے ہوئے جہاں سے چلے تھے وہیں پہنچ جانا۔

قرآنِ کریم نے اربابِ فکر اور اہلِ مذاہب کے اس غلط نظریہ کی تردید کی اور کہا کہ زندگی کولہو کے بیل کی طرح' ایک دائرے میں گردش کرنے کا نام نہیں۔ آگے بڑھنے اور بلند ہونے کا نام ہے۔ خدا' کائنات کو صراطِ مستقیم پر لئے جارہا ہے۔ اِنَّ رَبِّیۡ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ [11:56]۔ اس میں نت نئے اضافے ہوتے رہتے ہیں۔ یَزِیۡدُ فِی الۡخَلۡقِ مَا یَشَآءُ [35:1]۔ اور انسان کو بھی صراطِ مستقیم پر چلنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس میں زندگی کی ممکنات (Possiblilities) و دیعت کردی گئی ہیں اور جدوجہد کا وسیع میدان دے دیا گیا ہے۔ جو شخص' قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرے گا' اس کی ممکنات' مشہود ہوتی جائیں گی اور وہ سفرِ زندگی میں آگے بڑھتا جائے گا۔ اس طرح اس کا سفر' ایک دائرے میں نہیں' بلکہ سیدھے اور متوازن راستے پر ہوگا۔ اس سے اس کی زندگی کی سطح بلند ہوتی جائے گی اور وہ ارتقائی منازل طے کرتا آگے بڑھتا جائے گا۔ لَتَرۡکَبُنَّ طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ [84:19] ''تم ضرور منزل بہ منزل' درجہ بہ درجہ بلند ہوتے چلے جاؤ گے''۔ اس لئے' خدا صرف صراطِ مستقیم (سیدھی اور توازن بدوش) راہ ہی کا مالک نہیں۔ وہ ذِی الۡمَعَارِجِ [70:3] بھی ہے۔ یعنی ''سیڑھیوں والا''۔ بلندیوں کی طرف لے جانے والا۔ اس لئے قرآنِ کریم کی رو سے' زندگی کا منتہیٰ (As you were) ہو جانا نہیں بلکہ ارتقائی منازل طے کرکے آگے بڑھتے چلے جانا ہے۔ کائنات میں خدا کا قانون ارتقاء کارفرما ہے۔

زندگی کی دوری حرکت کا تصور' عہدِ کہن کے انسانی ذہن ہی کا مغالطہ نہیں تھا۔ اس زمانے میں بھی جہاں انسانی فکر نے وحی سے روشنی نہیں لی' وہ اسی چکر میں پھنس گیا ہے۔ جرمنی کے مشہور فلاسفر نیٹشے کا ''تکرارِ ازلی'' (Eternal Recurrence) کا نظریہ اسی مغالطہ کا رہینِ منت ہے۔ ہیگل کا نظریہ اضداد بھی اسی کا مظہر ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دنیا میں ایک تصور (Idea) پیدا ہوتا ہے۔ پروان چڑھتا ہے۔ جب وہ اپنے شباب پر پہنچتا ہے تو اس میں سے اس کی ضد دوسرا نظریہ پیدا ہو جاتا ہے جو پہلے نظریہ کو ختم کر دیتا ہے۔ پھر جب یہ دوسرا نظریہ پروان چڑھتا ہے تو اس میں سے اس کی ضد پیدا ہوتی ہے۔ تصورات (Ideas) یہی چکر ہے جو کائنات میں کارفرما ہے۔ ہیگل (Hegel) کے متبع مارکس (Marx) نے کہا کہ یہ چکر تصورات میں نہیں بلکہ نظامہائے زندگی (Social Orders) میں کارفرما ہے۔ دنیا میں ایک معاشی نظام قائم ہوتا ہے۔ پروان چڑھتا ہے۔ پھر اس میں سے اس کی ضد دوسرا نظام پیدا ہوتا ہے جو پہلے نظام کے لئے پیغام مرگ بن جاتا ہے۔ اسی طرح یہ سلسلہ جاری ہے۔ پہلے نظام سرمایہ داری کا دور دورہ تھا۔ جب وہ نظام شباب تک پہنچ گیا تو اس میں سے اس کی ضد' نظام اشتراکیت پیدا ہوگیا۔ اب اس کی باری ہے۔

آپ نے غور کیا کہ تنہا عقلِ انسانی نے جب بھی زندگی کے متعلق کوئی تصور قائم کرنا چاہا ہے تو اس نے اس قدر ٹھوکریں کھائی ہیں۔ یہ صرف وحی کی روشنی ہے جو انسان کو صحیح نظریہ زندگی عطا کرسکتی ہے۔ اور وہ نظریہ زندگی ہے ''صِرَاطِ مستقیم'' پر چلنا۔ یعنی نہ ایک مقام پر کھڑے رہ کر جامد اور متصلب (Static) ہو جانا' اور نہ ہی دائرے میں گردش کرتے رہنا۔ بلکہ زندگی کے سیدھے اور ہموار راستے پر چلتے جانا اور اس طرح آگے بڑھتے چلے جانا۔ ''حرکت اور ارتقاء'' یہ ہے قرآنی نظریۂ زندگی کا ماحصل جسے اس نے ''صراطِ مستقیم'' سے تعبیر کیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تبویب القرآن

صراطِ مستقیم

صراط تو راستے کو کہتے ہیں اور مستقیم کے معنی سیدھا بھی ہیں اور اس کے ساتھ ہی ہموار اور متوازن بھی۔ ''سیدھا'' کے معنی ہوتے ہیں دو مقامات کے درمیان کم از کم فاصلہ اور متوازن سے مراد ہوگی ایسا راستہ جس میں نشیب و فراز نہ ہو۔ قرآن کی اصطلاح میں صراطِ مستقیم سے مراد وہ محفوظ راہ ہے جس پر چل کر کاروانِ انسانیت اپنی اس منزل تک پہنچ سکتا ہے جو اس کے لئے اللہ نے تجویز کی ہے اور جو درحقیقت ارتقائے انسانیت کا اگلا مقام ہے۔ اس دنیا میں بھی اور بعد کی زندگی میں بھی۔ یہ وہی راہ ہے جس کی طرف راہنمائی قرآنِ کریم دیتا ہے۔ بالفاظِ دیگر، صراطِ مستقیم، قرآنی تعلیم کا دوسرا نام ہے۔

(2) سورۂ مائدہ میں ہے کہ اللہ سبل السلام کی طرف راہنمائی کرتا ہے (5:16) اور اس طرح انہیں صراطِ مستقیم تک پہنچا دیتا ہے (5:16)۔ سبلؔ ان چھوٹی چھوٹی پگڈنڈیوں کو کہتے ہیں جو آخر الامر جا کر شاہراہِ اعظم میں مل جاتی ہیں۔ قرآنِ کریم کے اصول و اقدار محکم اور غیر متبدل ہیں لیکن ان پر عمل، اپنے اپنے زمانے کے تقاضے کے مطابق کیا جائے گا۔ یہ مختلف طریق سبل ہیں۔ ان کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ یہ آخر الامر صراطِ مستقیم میں جا ملیں۔ مقصد صراطِ مستقیم ہے اور یہ سبلؔ اس تک پہنچنے کے ذرائع ہیں۔

◆◇◆

صراطِ مستقیم پر چلنے کی آرزو

(1) ہمیں صراطِ مستقیم دکھا دے (1:5)۔

صراطِ مستقیم کن لوگوں کی راہ ہے

(1) صراطِ مستقیم ان لوگوں کی راہ ہے جو انعاماتِ خداوندی سے نوازے گئے۔ نہ ان کی کوششیں رائیگاں گئیں اور نہ ہی ان کی امیدوں کی کھیتی جھلس گئی (1:6-7)۔

(2) تمام انبیاءؑ صراطِ مستقیم پر تھے (6:88)۔

(3) رسولؐ اللہ کی راہنمائی صراطِ مستقیم کی طرف کی گئی تھی۔ یہی دین قیم اور ملت ابراہیمی ہے (6:162)۔ (16:121)۔ (22:67)۔ (36:4)۔ (43:43)۔ (48:2)۔

(4) خود اللہ صراطِ مستقیم پر ہے (11:56)۔

(5) عقل وفکر سے کام لینے والوں کی عدل کرنے والوں کی (16:76)۔

(6) حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کی راہنمائی صراطِ مستقیم کی طرف (37:118)۔

(7) اس اللہ کی راہ جو ارض وسما میں ہر شے کا مالک ہے (42:53)۔

صراطِ مستقیم کس طرح سامنے آتی ہے

(1) یہ قانونِ خداوندی کے مطابق، ہر اس شخص کے سامنے آسکتی ہے جو اسے پانا چاہے (2:142)۔ (2:213)۔ (6:89)۔ (10:25)۔ (24:46)۔ (81:28)۔

(2) اللہ کی محکومیت اختیار کرنے سے (3:50)۔ (19:36)۔ (36:61)۔ (43:64)۔

(3) اعتصام باللہ سے — یعنی وحیٔ خداوندی کے ساتھ محکم تمسک سے (3:100)۔ (4:176)۔

(4) بطیبِ خاطر اطاعت سے۔ قتال کے لئے رزمگاہ میں آجانے سے (4:65-68)۔

(5) کتاب اللہ کے اِتباع سے (5:15-16)۔

(6) عقل وفکر سے کام لینے سے (6:39)۔ (16:76)۔ (36:65-66)۔

(7) ایمان لانے سے (22:54)۔ ایمان بالآخرت سے (23:74)۔

(8) اللہ کی آیاتِ بینات (واضح قوانین) کے اتباع سے (24:46)۔

(9) تمسک بالوحی سے (43:43)۔

(10) اِتباعِ خداوندی سے (43:61)۔

(11) دوسرے لوگوں کی محکومی وغلامی بلکہ مغلوبیت سے نکلنے کے بعد (48:20)۔

صراطِ مستقیم کی خصوصیات

(1) اختلافات مٹانے والی (2:213)۔

(2) تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آنے والی (5:15-16)

(3) یہی ہدایتِ خداوندی ہے (6:89)۔

(4) اسلام ہی صراطِ مستقیم ہے اور یہی اللہ کا سیدھا راستہ ہے (6:126-27)۔

(5) مختلف احکام وقوانین کے بعد کہا کہ یہ ہے میرا (اللہ کا) سیدھا راستہ۔ اسی کا اتباع کرو۔ اگر اور راستے اختیار کرو گے تو وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں گے (6:154)۔

(6) دین قیم — رسولؐ اللہ کی راہ — ملتِ ابراہیمی یہی ہے (6:162)۔

(7) یہ دارالسلام کی طرف لے جانے والی راہ ہے (10:25)۔

(8) خود اللہ صراطِ مستقیم پر ہے (11:56) یعنی اس کا قانون اس راہ کا تعین کرتا ہے۔

(9) اس اللہ کی راہ جس کے لئے ارض وسما میں سب کچھ ہے (42:53)۔

(10) اتباعِ خداوندی صراطِ مستقیم ہے (43:61)۔

متفرق

(1) اسے سواء السبیل بھی کہا گیا ہے (5:60)۔

(2) ابلیس نے کہا کہ میں انسان کو صراطِ مستقیم سے بھٹکا دوں گا (7:16)۔ لیکن اللہ کے مخلص بندوں پر اسے کوئی اختیار نہیں ہوگا ((15:41-42)۔

(3) اسے صراط العزیز الحمید بھی کہا ہے (14:1)۔ (34:6)۔

(4) یہ راہِ اقوم ہے (17:9)۔

(5) یہ صراطِ سویا ہے (19:43)۔ (20:135)۔

(6) اہل جنت کی راہنمائی صراط الحمید کی طرف (22:24)۔

(7) صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دو (22:67)۔ (23:73)۔ (42:52)۔

(8) **فاستقیموا الیه**(41:6) — **یستقیم**(81:28)۔

(9) اوندھے منہ چلنے والا اور صراطِ مستقیم پر چلنے والا' دونوں برابر نہیں ہو سکتے (67:22)۔

(10) اسے طریق مستقیم بھی کہا گیا ہے (46:30)۔

(11) حق کے ساتھ فیصلہ کرنا' سواء الصراط کی طرف راہنمائی کرنا ہے (38:22)۔

صِرَاطٌ— عام عرب اسے سِرَاطٌ پڑھتے ہیں۔ صاد کے ساتھ (صِرَاطٌ) قریش کا لغت ہے۔ سَرَطَ کے معنی ہیں کسی چیز کو بغیر چبائے نگل جانا۔

چنانچہ سِرَاطٌ (اور صِرَاطٌ) اس لمبی تلوار کو کہتے ہیں جو بہت کاٹنے والی ہو۔ گویا وہ جس چیز پر پڑتی ہے اسے نگل جاتی ہے۔ اسی نہج سے کھلے اور واضح راستہ کو بھی صِرَاطٌ کہتے ہیں۔ (یا تو تلوار کے سیدھے اور لمبے ہونے کی وجہ سے اور یا اس لئے کہ چلنے والا اسے نگلتا چلا جاتا ہے۔ یا وہ راستہ ہزارہا راہروؤں کو نگلتا چلا جاتا ہے۔)

قرآنِ کریم نے الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ [1:5] کو دوسرے مقام پر طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ [46:30] کہہ کر صِرَاطٌ کے معنی طَرِيقٌ (راستہ) بتادئے ہیں۔ (مُسْتَقِيمٌ کے معنوں کے لئے دیکھئے عنوان ق۔و۔م)۔

(قرآنِ کریم میں ''پل صراط'' کا کوئی ذکر نہیں)۔

محمد انوار خان، اسلام آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدا کا قرآنی تصور

نہ تھا کچھ تو خدا تھا۔۔۔ کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا

قرون اولیٰ کے مسلمان سائنسدانوں کی اور قرون وسطیٰ کے غیر مسلم سائنسدانوں کی عظیم الشان تحقیق کے نتیجے میں آج کا انسان اس قابل ہو گیا کہ وہ اس کرہ ارض کی عمر کا تعین کر سکے البتہ اس کرہ ارض کی تباہی کس طرح ہوگی اس پر سیر حاصل بحث کی جاسکتی ہے۔ اس خوبصورت دنیا جس کے ہم باسی ہیں دراصل جنت کا ہی ٹکڑا ہے چنانچہ وہ کون سی شے ہے جو ہمیں اس دنیا میں میسر نہیں ہے فرق صرف اتنا ہے کہ وحی الٰہی کے احکامات پر کاربند رہتے ہوئے زندگی بسر کی جائے تو زندگی بڑی حسین ہے۔ البتہ جب بھی یہ دنیا زوال پذیر ہوگی اس کا ذمہ دار انسان ہی ہوگا۔

اور اگر بات کی جائے لامحدود خارجی کائنات کی تو اس پر تحقیق کا سفر جاری وساری ہے ہر آنے والے دن کسی نا کسی نئے ستارے یا سیارے کی دریافت سائنسدانوں کو مصروف کار رکھتی ہے یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا اس کا جواب تا حال کسی ذی شعور کے پاس نہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

البتہ اس کرہ ارض پر بسنے والی ایک قوم ایسی بھی ہے جس کو وحی الٰہی کے ذریعے آج سے تقریباً چودہ سو سال قبل اس کائنات اور انسانی معاشرہ کی فلاح سے متعلق بیشتر معاملات فراہم کر دی گئیں تھیں اور ابتدائی دور کے مسلمانوں نے اپنی شبانہ روز محنت کو بروئے کار لا کر اس کو دوام بھی بخشا تھا مگر بعد ازاں کچھ ایسا ہوا کہ مسلمانان عالم بہت ضروری کام سے گہری نیند سو گئے یا پھر اپنے کاندھوں پہ عائد یہ ذمہ داری انہوں نے غیر مسلموں کے سپرد کر دی ہے۔ وحی الٰہی کے ہوتے ہوئے اس ذمہ داری سے مسلمانوں کے عہدہ برا ہونے کے نتائج نوشتہ دیوار ہیں جو ہمیں ہماری بربادی کی داستان سناتے ہیں مگر ہم نے دیدہ دانستہ اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی ہے نیند سے بیدار ہونے کے بجائے ہم مختلف مسیحاؤں کی آمد کے منتظر رہتے ہیں جبکہ ہر آنے والا دن ہم مسلمانوں کو اندھے کنویں میں دھکیل رہا ہے۔ البتہ مسلمانان عالم یقیناً اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں اگر وہ قرآن حکیم کو حاکم مان لیں اور اس میں درج آیات پر تدبر تفکر اور تحقیق کو بروئے کار لائیں اللہ تبارک وتعالیٰ

کے احکامات پر سرِ تسلیم خم کر دیں اور خدا کو اس کے اصل مقام پر رکھ لیں تو یقیناً دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے کہ میں تو تمہاری رگ جاں سے بھی قریب ہوں مجھ سے قرب تو حاصل کرو تم ایک قدم میری راہ میں اٹھاؤ گے تو میں دو قدم تمہاری خاطر آگے بڑھوں گا۔ بقول مظفر وارثی ۔

اے خدا اے خدا جس نے کی جُستجُو ملِ گیا اُس کو تُو سب کا تُو راہنما
یہ زمیں یہ فلک اِن سے آگے تلک جتنی دنیائیں ہیں سب میں تیری جھلک
ہر سحر پھوٹتی ہے نئے رنگ سے سبزہ و گل کِھلیں سینۂ سنگ سے
ہر ستارے میں آباد ہے اِک جہاں چاند سُورج تیری روشنی کے نشاں
جس نے کی جُستجُو مل گیا اُس کو تُو سب کا تُو راہنما اے خدا اے خدا

ابتداء آفرینش سے انسانوں میں تسلسل سے ایک ایسی غیر مرئی غیر متغیر اور لامتناہی طاقت یعنی خدا یا اللہ کے تصور کی جستجو جاری وساری ہے۔ تاریخ سے حاصل ہونے والے علم کو اگر مجتمع کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ خدا یا روحانی طاقت پر یقین کی ابتداء تقریباً 50,000 سے 70,000 سال پرانی ہے۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ قدیم انسان اپنی میتوں کو باقاعدہ رسومات کے ساتھ دفن کرتے تھے اور غاروں میں ان کی تصاویر بناتے تھے اور نذرانے ان کے ساتھ رکھتے تھے حفاظت کی علامتیں استعمال کرتے تھے یہ تمام علامات ظاہر کرتی ہیں کہ انسان ہمیشہ سے کسی نہ کسی غیر مرئی طاقت پر یقین رکھتے تھے۔

ابتدائی دور کے منظم مذاہب کی فہرست مندرجہ ذیل ہے:

- میسوپوٹیمیا (سومیریائی) 3500 قبل مسیح
- قدیم مصر 3000 قبل مسیح
- وادئ سندھ 2500 قبل مسیح

مندرجہ بالا تہذیبیں واضح طور پر متعدد خداؤں پر یقین رکھتی تھیں جبکہ دین الٰہی کے مطابق اللہ ہمیشہ سے موجود ہے اور ہمیشہ قائم رہے گا۔ لہٰذا دین اسلام کے مطابق ایک خدا پر ایمان انسان کے آغاز سے ہی موجود ہے جو دین اسلام کو متعدد مذاہب سے منفرد کرتا ہے۔

البتہ دور حاضر میں کتنے خداؤں کی عبادت کی جاتی ہے اس کے مکمل اور درست اعداد و شمار موجود نہیں کیونکہ دنیا میں ہزاروں چھوٹے بڑے مذاہب اور مقامی عقائد موجود ہیں۔ جبکہ صرف ایک خدا کو ماننے والے مذاہب کی فہرست میں شامل ہیں:

اسلام، عیسائیت، یہودیت اور سکھ مت دنیا کی آدھے سے زیادہ آبادی ایک خدا کی عبادت کرتی ہے البتہ ایک سے زیادہ خداؤں پر یقین رکھنے والے مذاہب میں ہندومت شامل ہیں جن میں کروڑوں دیوتا شامل ہیں مگر لوگ عملی طور پر چند اہم خداؤں کو ہی پوجتے ہیں۔

شنٹو (جاپان) اور کئی قبائلی اور روایتی مذاہب بھی ہیں جن میں خالق خدا کا تصور نہیں ان میں بدھ مت، جین مت اور تاؤ

ازم شامل ہیں ان میں ذاتی خدا یا خالق کا واضح تصور نہیں ہوتا۔

دنیا کے مختلف مذاہب جو اپنی ثقافتوں اور قبائلی روایات کی وجہ سے جانے پہچانے جاتے ہیں ان کی صحیح تعداد معلوم نہیں، مگر اندازاً ہزاروں دیوتاؤں کی عبادت کی جاتی ہے۔ زمانہ قدیم میں انسان بجلی، گرج، بارش، سورج، چاند، دریا، جنگل، بیماری اور موت جیسی قوتوں کو سمجھ نہیں پاتا تھا۔ اس لیے وہ ہر طاقت کے پیچھے ایک الگ خدا کا تصور وضع کرتا تھا۔

مثلاً بارش کا خدا، سورج کا خدا، جنگ کا خدا اور محبت کا خدا، زرخیزی (فصل/ بچے ہونے) کا خدا ہر قبیلہ اپنے اپنے دیوتا بناتا اور ان کی پوجا کرتا تھا۔

البتہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسان اس قابل ہوا کہ یہ دنیا ایک منظم نظام کے تحت چل رہی ہے سورج، چاند، ستارے، موسم ایک ہی اصول کے تحت چلتے ہیں لہٰذا اتنے خداؤں کا ہونا ممکن نہیں، ورنہ دنیا میں مسلسل ٹکراؤ ہوتا یہ سوچ انہیں ایک اعلیٰ، عظیم، واحد خالق کے تصور کی طرف لے جاتی ہے۔ جبکہ دین اسلام شروع سے ہی توحید کا علمبردار ہے لوگوں نے بعد ازاں اس میں شرک کا اضافہ کر دیا جس کے بدترین نتائج ہمارے سامنے موجود ہیں تمام انبیاء علیہم السلام نے بھی ایک ہی اللہ کی عبادت کی دعوت دی اور وحی الٰہی کے ذریعے انسانیت کو بھلائی کے کاموں کے لیے کوشاں رکھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات اس کے 99 سے زائد ناموں میں مضمر ہے جن میں اضافہ بھی ہوسکتا ہے۔ البتہ انسانی آنکھ ذات خداوندی کا ادراک نہیں کرسکتی اس کی مثل بھی کوئی نہیں اس لیے ذات خداوندی کو کسی مثال سے بھی سمجھایا نہیں جاسکتا۔

تاریخی حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ پہلا بادشاہ جس نے ایک خدا کی عبادت کا اعلان کیا وہ فیرون اخناتون تھا (1400 BC مصر) اس نے کہا تھا کہ صرف ''آتون'' (سورج) کی عبادت ہوگی یہ مکمل توحید تو نہیں تھی، مگر یہ پہلا بڑا قدم تھا کہ صرف ایک ہی خدا کو مانا جائے۔

مذاہب میں توحید کا پھیلاؤ:

1۔ یہودیت (حضرت موسیٰ علیہ السلام) پہلا بڑا منظم دین جس نے دنیا میں اعلان کیا کہ صرف ایک خدا ہے۔

2۔ عیسائیت اسی بنیاد پر قائم ہوئی، اگرچہ بعد میں تثلیث کا نظریہ شامل ہوا۔

3۔ اسلام نے دوبارہ اصل توحید کو مکمل اور خالص شکل میں پیش کیا یعنی ''لا الٰہ الا اللہ'' اس کا اقرار کرنے والا اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ کائنات میں کوئی قوت ایسی نہیں جس کے سامنے سر جھکایا جائے جس کی محکومی اختیار کی جائے۔ یہ حق صرف قوانین خداوندی کو حاصل ہے۔

4۔ اسلام نے شرک کے تمام تصورات کو ختم کر کے دنیا بھر میں توحید کا علم بلند کیا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر لوگ ایک خدا کی طرف کیوں آئے؟ (سائنس+منطق کی رو سے) کائنات کا نظام ایک ہی اصول پر چل رہا ہے اگر مختلف خدا ہوتے تو سارا نظام درہم برہم ہو جاتا لہٰذا انسان کی عقل ایک ہی خالق کی طرف اشارہ کرتی

ہے اخلاقیات بھی ایک خدا کے تصور سے مضبوط ہوتی ہیں اسی لیے دنیا بتدریج کئی خداؤں سے ایک خدا کے تصور پر آ گئی۔

البتہ قدیم تہذیبوں کے خداؤں کے ماننے والے ممالک کی فہرست میں شامل ہیں: مصر یونان بابل وادیٔ سندھ چین جاپان مایا/ ازٹیک۔قرآنِ مجید کے مطابق اللہ کا تصور نہایت واضح، جامع اور بلند ہے۔مختصراً مگر واضح انداز میں قرآنی تصورِ خدا درج ذیل ہے:

1۔اللہ ایک ہے،اس کا کوئی شریک، ہمسر یا اولاد نہیں۔قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝١ (کہہ دو: وہ اللہ ایک ہے) سورۃ الاخلاص

2۔اللہ بے نیاز اور ازلی ہے وہ نہ کسی کا محتاج ہے اور نہ کسی نے اسے جنا ''لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝٣''

3۔اللہ ہر چیز کا خالق ہے زمین وآسمان اور ان کے درمیان ہر چیز اللہ نے پیدا کی ''اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡ'' (الزمر:62)

4۔اللہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور پوری کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے۔اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ۔آیت الکرسی

5۔اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ظاہر و باطن، دلوں کے راز اور نیتیں سب اس کے علم میں ہیں۔وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (سورۃ الحدید:3)

6۔اللہ رحمٰن اور رحیم ہے وہ نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ (الاعراف:156)

7۔اللہ عادل ہے اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور قیامت کے دن پورا انصاف کرے گا۔وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝٤٩ (سورۃ الکہف:49)

8۔اللہ ہی عبادت کے لائق ہے صرف اسی کی عبادت کی جائے، اسی سے دعا مانگی جائے۔اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝٤ (سورۃ الفاتحہ:4)

قرآن کے مطابق خدا ایک ہے، بے نیاز ہے، خالق ہے، زندہ اور قائم رکھنے والا ہے سب کچھ جانتا ہے نہایت مہربان اور عادل ہے صرف وہی عبادت کے لائق ہے۔

اللہ کی کوئی شکل نہیں اسلام میں یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ اللہ مخلوق جیسا نہیں۔شکل، جسم، رنگ، وزن، جگہ اور سمت یہ سب مخلوق کی صفات ہیں، جبکہ اللہ خالق ہے۔لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ ''اس جیسا کوئی بھی نہیں'' (سورۃ الشوریٰ:11)

اللہ مادی جسم نہیں مادی جسم حدود رکھتا ہے جسم وقت اور جگہ کا محتاج ہوتا ہے جسم پیدا ہوتا اور فنا ہوتا ہے اللہ ان سب سے پاک ہے: اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝٢ ''اللہ بے نیاز ہے'' (سورۃ الاخلاص)

پھر قرآن میں اللہ کی صفات اس طرح بیان ہوتی ہیں جیسے ہاتھ، عرش پر ہونا، دیکھنا، سننا امام مالکؒ کا مشہور قول ہے کہ ''عرش پر استواء معلوم ہے، اس کی کیفیت نامعلوم ہے، اس پر ایمان واجب ہے، اور اس پر بحث بدعت ہے۔''

اللہ جگہ کا محتاج نہیں وہ اپنی ذات کے اعتبار سے مخلوق جیسا کہیں ''بیٹھا'' یا ''محدود'' نہیں مگر اپنے علم، قدرت اور اختیار

سے ہر چیز پر حاوی ہے وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ ''تم جہاں بھی ہو، وہ تمہارے ساتھ ہے'' (الحدید:4)

اللہ کی کوئی شکل یا جسم نہیں وہ مادہ، وقت اور جگہ سے ماورا ہے ہم اس کی صفات پر ایمان رکھتے ہیں تشبیہ کے بغیر اللہ کو مخلوق کے پیمانوں سے ناپنا درست نہیں۔

فلسفہ میں مادی ہستی کیا ہوتی ہے؟ ہر وہ چیز جو جگہ گھیرے وزن رکھے دیکھی یا چھوئی جا سکے وقت کے ساتھ بدلے وہ مادی شے ہے جبکہ غیر مادی ہستی کیا ہوتی ہے؟ جو جسم، شکل اور حدود سے پاک ہو وقت و مکان کی محتاج نہ ہو تبدیلی اور فنا سے محفوظ ہو فلسفہ میں ایسی ہستی کو واجب الوجود کہتے ہیں یعنی جس کا وجود خود اس کی ذات سے ہو کسی اور پر منحصر نہ ہو۔

قرآن اللہ کو اسی درجے پر رکھتا ہے ''اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ﴿۲﴾ ''یعنی سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔

عقل کی مثالیں: بغیر مادّے کے وجود باللہ کو سمجھنے کے لیے قرآن مثال نہیں دیتا، مگر عقل ہمیں کچھ غیر مادی چیزیں سمجھا دیتی ہے:

1۔ عقل اور شعور

عقل کو آپ دیکھ نہیں سکتے شعور کا وزن نہیں مگر اس کے اثرات واضح ہیں اسی طرح اللہ نظر نہیں آتا مگر اس کے آثار پوری کائنات میں ہیں۔ قانونِ فطرت کششِ ثقل نظر نہیں آتی مگر اس کے بغیر کائنات بکھر جائے جو چیز نظر نہ آئے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ موجود نہیں۔ اسلام اور دیگر مذاہب کا تقابل بقول اسلام اللہ ایک بے شکل اور غیر مادی ہے کسی انسان یا مخلوق میں حلول نہیں کرتا ''لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ'' جبکہ عیسائیت (عام عقیدہ) خدا انسان (عیسیٰؑ) کی شکل میں ظاہر ہوا خدا کو جسم اور صورت دی گئی ہندو مت (اکثر تصورات) خدا کئی روپ دھارتا ہے انسانی یا جانوروں کی شکلیں۔ یونانی فلسفہ خدا کو ''اعلیٰ عقل'' یا ''اول سبب'' کہا مگر عام انسان کے لیے غیر واضح رہا۔

اسلام واحد مذہب ہے جو خدا کو مکمل طور پر ماورائے مادّہ رکھتا ہے۔

قرآن کا منطقی استدلال قرآن سوال اٹھاتا ہے:

''اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ'' کیا اللہ کے بارے میں شک ہے، جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے؟ یعنی جو خود پیدا نہ ہوا ہو جو سب کو وجود دے وہ خود مادّی کیسے ہو سکتا ہے؟

نتیجہ (سادہ الفاظ میں)

جسم ہونا = محتاج ہونا

محتاج ہونا = خدا نہ ہونا

لہٰذا اللہ جسم، شکل، رنگ، جگہ اور وقت سے پاک ہے

مگر علم، قدرت، رحمت اور اختیار کے ساتھ ہر چیز پر حاوی ہے۔

کیا ہر حقیقت دیکھی جاسکتی ہے؟ نہیں ہم بہت سی چیزوں پر یقین رکھتے ہیں جو نظر نہیں آتیں:

عقل آپ اپنی عقل کو نہیں دیکھتے، مگر اس کے بغیر کوئی فیصلہ ممکن نہیں۔

محبت نظر نہیں آتی، مگر اس کے اثرات پوری زندگی بدل دیتے ہیں۔

انصاف ایک تصور ہے، مادی شے نہیں، مگر ہم سب اس کے قائل ہیں۔

جو چیز نظر نہ آئے، وہ غیر حقیقی نہیں ہوجاتی۔

قرآن کے ایمان کا معیار

قرآن کہتا ہے:

''الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ'' وہ لوگ جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں (سورۃ البقرہ:3)

غیب سے مراد وہ حقیقتیں جو حواس سے ماوراہوں مگر عقل، فطرت اور آثار سے ثابت ہوں۔ ایمان اندھا نہیں، عقلی ہے اسلام اندھا یقین نہیں سکھاتا، بلکہ سوال کی اجازت دیتا ہے: ''قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ''''اپنی دلیل پیش کرو'' قرآن بار بار کہتا ہے غور کرو سوچو عقل استعمال کرو کہ اللہ کے آثار کہاں ہیں؟

قرآن اللہ کو براہِ راست دیکھنے کی دعوت نہیں دیتا، بلکہ اس کے آثار دیکھنے کو کہتا ہے کائنات کہکشائیں

سورج اور چاند کا نظام طبعی قوانین کی پابندی

''سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ''ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق میں دکھائیں گے (حم السجدہ:53)

''دیکھنا مخلوق کی حد ہے اللہ لامحدود ہے۔ محدود آنکھ، لامحدود ذات کو سمیٹ نہیں سکتی۔ قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ: لَن تَرَانِي تم مجھے نہیں دیکھ سکتے''۔

بقول شاعر؎

بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے
تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا

(اکبرالہ آبادی)

اسلام میں ایمان سوال سے نہیں ڈرتا:

قرآن انسان کو ایک بالغ اور ذمہ دار مخاطب سمجھتا ہے نہ اندھا عقیدہ مانگتا ہے، نہ سوال سے روکتا ہے، بلکہ کہتا ہے: ''أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ'' کیا یہ لوگ غور وفکر نہیں کرتے؟ اصل بات یہ ہے کہ اللہ کو آنکھوں سے نہیں بلکہ عقل، فطرت اور دل کے اطمینان سے پہچانا جاتا ہے اور جب یہ تینوں ایک سمت میں آجائیں تو ایمان بوجھ نہیں، سہارا بن جاتا ہے۔ یہ فہم عمل میں کیسے ڈھلتا ہے؟ روزمرہ زندگی میں یہ یقین سکون کیسے دیتا ہے؟ مشکلات میں یہ تصورِ خدا انسان کو ٹوٹنے سے کیسے بچاتا ہے؟

اللہ کا تصور انسان کو اندر سے کیسے بدلتا ہے؟

جب انسان یہ مان لیتا ہے کہ اللہ ہر حال میں موجود ہے وہ سب جانتا ہے وہ نہایت عادل اور مہربان ہے تو انسان کے اندر مضبوط کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں:

سکون ''اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾'' دل اس لیے بے چین نہیں رہتا کہ معاملات کسی اندھی قوت کے سپرد نہیں، بلکہ حکمت رکھنے والی ذات کے ہاتھ میں ہیں۔

موجودہ ترقی یافتہ دور میں جہاں انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا کی ہوئی عقل ودانش کو استعمال کرتے ہوئے ستاروں پہ کمند ڈال رہا ہے وہاں ہر ناممکن ممکن ہوتا چلا جا رہا ہے ٹیکنالوجی برسوں نہیں مہینوں نہیں ہفتوں نہیں دنوں نہیں بلکہ گھنٹوں میں تبدیل ہورہی ہے چنانچہ جو صاحب فہم وادراک افراد ہیں وہ اس تبدیلی کو دل وجاں سے قبول کر رہے ہیں اور جو افراد اس تبدیلی کو قبول کرنے سے قاصر ہیں ان کے لبوں پر سوائے شکوہ شکایت کے کوئی دوسری بات کرنے کو نہیں ہوتی۔ البتہ اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ یہ تبدیلی وقوع پذیر ہوکر رہے گی ہمارے چاہنے یا نا چاہنے سے یہ عمل رکنے والا نہیں۔

مندرجہ بالا اختصار کے باوجود کہ خدا وحدہ لاشریک ہے اس کا کوئی ہمسر نہیں اس کا کوئی مادی وجود نہیں اس غیر متزلزل حقیقت اور یقین کے باوجود آج بھی ہمارے گردوپیش میں متعدد گھرانے بلکہ یہ کہنا بعید از قیاس نا ہوگا کہ زیادہ تر گھرانوں میں بزرگ اپنے بچوں کو خدا کے تصور سے کچھ اس طرح ہم آہنگ کرتے ہیں کہ ساتویں آسمان پر پانی کا عرش ہے جہاں ایک عظیم الشان تخت ہے جس پر اللہ تبارک وتعالیٰ براجمان ہیں جہاں سے وہ دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے تمام واقعات پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہیں۔ درحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک خارجی نظام ہے جو لفظ ''کن'' کے ماتحت زمان مکاں کی قید سے ماورا اربوں کھربوں سال سے رواں دواں ہے اور جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ چاہیں گے رواں دواں رہے گا ان انگنت کہکشاؤں میں کتنے ستارے ہیں کتنے سیارے ہیں ان میں کتنی ہمارے جیسی یا ہم سے بہتر دنیائیں آباد ہیں یہ سب ہماری عقل و فہم سے ماورا ہے۔ بقول اقبالؒ

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے اُبھرتے ہوئے سُورج کو ذرا دیکھ
اس جلوۂ بے پردہ کو پردوں میں چھُپا دیکھ
ایّامِ جُدائی کے سِتم دیکھ، جفا دیکھ
بے تاب نہ ہو معرکۂ بیم و رجا دیکھ!
ہیں تیرے تصرّف میں یہ بادل، یہ گھٹائیں
یہ گُنبدِ افلاک، یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ یہ صحرا، یہ سمندر یہ ہوائیں
تھیں پیشِ نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینۂ ایّام میں آج اپنی ادا دیکھ!
سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے
دیکھیں گے تجھے دُور سے گردُوں کے ستارے
ناپید ترے بحرِ تخیّل کے کنارے
پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے

تعمیرِ خودی کر، اثرِ آہِ رسا دیکھ!
خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں

آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہُنر میں
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں

جنّت تری پنہاں ہے ترے خُونِ جگر میں
اے پیکرِ گِل کوششِ پیہم کی جزا دیکھ!

نالندہ ترے عُود کا ہر تار ازل سے
تُو جنسِ محبّت کا خریدار ازل سے

تُو پیرِ صنم خانۂ اسرار ازل سے
محنت کش و خُوں ریز و کم آزار ازل سے

ہے راکبِ تقدیرِ جہاں تیری رضا، دیکھ!

البتہ اگر بات کی جائے اس کرہ ارض کی جس کے ہم باسی ہیں تو سائینس دانوں کی عظیم تحقیق کے مطابق اس کی عمر تقریباً پانچ ارب سالوں کے لگ بھگ ہے۔ تاریخی حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں ہزاروں پیغمبر اور رسول اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا سے وارد ہوئے اور ان سب کا پیغام ایک ہی تھا یعنی اس کرہ ارض پر انسانی معاشرہ کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ کے قانون کی حکمرانی۔ یہ سلسلہ ہماری معلومات کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اختتام پذیر ہوا۔

جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ خارجی دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا قانون ''کن'' کارفرما ہے جبکہ اس کرہ ارض پر زندگی بسر کرنے کی غرض سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے وحی الٰہی کے ذریعے انسانوں کو خلیفۃ الارض بنایا اس کو تمام اختیارات عطا فرمائے اچھائی اور برائی کے فرق کو واضح فرمایا ہے۔ چنانچہ جو افراد بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار رہوں گے کامیابی ان کے قدم چومے گی جبکہ جو افراد برائی پھیلانے کے ذمے دار ہوں گے ان کا انجام تباہی اور بربادی ہوگا۔

قرآن حکیم کی ایک آیت پیش خدمت ہے جو ہمارے دل ودماغ اور اس میں آنے والے خیالات کی وضاحت کردیتی ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿٧٣﴾ (سورۃ الفرقان، آیت 73)

(73) یہ لوگ آیات سُن کر یونہی جذبات کی رو میں نہیں بہہ جاتے بلکہ اپنا ہر قدم پورے غور وخوض کے بعد اٹھاتے ہیں۔

چنانچہ مسلمانوں کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد دو ہی چراغِ راہ تھے ایک قرآن حکیم اور دوسری آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت قرآنی جس پر عمل پیرا ہو کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بائیس لاکھ مربع میل پر اسلام کا پرچم لہرایا۔ البتہ تفصیلات میں جائے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے وصال کے اڑھائی سو سال بعد جن مذہبی علوم کو مسلمانوں نے اپنے سینوں سے لگایا اور اس کے نتیجے میں جو فرقے وجود میں آئے اور جس کے نتیجے میں مسلمانوں کی یک جہتی کا شیرازہ بکھرا وہ ہم سب کے سامنے ہے آج بھی صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا کی ہوئی کتاب قرآن کریم ہی ہے جو مسلمانوں کو متحد کرسکتی ہے ورنہ ناقابل تلافی نقصان ہمارے گرد آج مارچ 2026 میں بھی منڈلا رہا ہے جس کا بھرپور فائدہ غیر مسلم قوتیں اٹھا رہی ہیں۔

بقول علامہ غلام احمد پرویز، روز حشر جب مختلف امتیں اپنے اپنے نبی کی سربراہی میں خدا کے سامنے سے گزریں گی تو

نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم شکوہ کریں گے قرآن حکیم میں مندرجہ ذیل آیت کے ساتھ۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (سورۃ الفرقان، آیت:30)

(30)اور رسول کہے گا کہ اے میرے نشوونما دینے والے! یہی ہے میری وہ قوم جس نے اِس قرآن کو، اپنے خودساختہ معتقدات کی رسیوں سے، اس طرح جکڑ دیا تھا کہ یہ آزادی سے دوقدم چلنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا (انہوں نے، اپنے آپ کو اس کے تابع رکھنے کے بجائے، اسے اپنے مسلک ومشرب کے تابع رکھ چھوڑا تھا۔

وہاں کسی سے اس کے مسلک عقائد اور فرقے کے بارے میں سوال نہیں ہوگا بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شکوہ ہوگا کہ یہ ہے میری قوم جس نے قرآن کریم کو چھوڑ دیا۔

لہٰذا اتحاد بین المسلمین کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کی رسی یعنی قرآن کریم کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقہ بندی سے اجتناب برتو اسی میں دنیا اور آخرت کی کامیابی مضمر ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝١٠٣ (سورۃ آلِ عمران، آیت:103)

یادرکھو! دین نہ انفرادی مسلک کا نام ہے، نہ گروہ بندیوں کے طریقے کا۔ لہٰذا، تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم، سب کے سب، بلا اِستثنا، اجتماعی طور پر، اس نظام کے ساتھ، محکم طور پر، وابستہ رہو اور اُمت میں فرقہ پرستی اور پارٹی بازی کو مت آنے دو (کہ فرقہ پرستی شرک ہے، (30:31-32) اور پارٹی بازی، خدا کا عذاب (3:105; 6:65)۔ ایسا کرنے والوں کے ساتھ رسول کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا (6:154; 6:160))۔ تم ذرا اپنی پچھلی حالت کو یاد کرو، جب تم اجتماعی زندگی کے بجائے، فرقوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ تم ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ خدا نے اُس حالت میں، تمہیں ایسا نظامِ زندگی عطا کیا جس سے (تم میں صرف ظاہرا اتحاد ہی پیدا نہیں ہوا بلکہ) تمہارے دل ایک دوسرے سے جڑ گئے، اور تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے —— تمہارا اس طرح، اِیمان کے رشتے میں منسلک ہو کر، ایک برادری بن جانا، کتنا بڑا انعامِ خداوندی تھا —— تم، اِس سے پہلے، ہلاکت اور تباہی کے جہنم کے کنارے پہنچ چکے تھے، کہ اِس (نظامِ خداوندی) نے تمہیں، اُس میں گرنے سے بچالیا (8:63; 49:10)۔

اللہ اِس طرح، اپنے قوانین وضوابط، اور اُن کے نتائج وثمرات، واضح طور پر، بیان کرتا ہے، تاکہ زندگی کا صحیح راستہ تمہارے سامنے رہے۔

حاصل کلام بس اتنا ہے کہ ہم نے صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت، اطاعت اور غلامی کرنی ہے اس کے تمام احکامات پر سر تسلیم خم کرنا ہے کیونکہ وہی خالق اور مالک کائنات ہے اور قرآنی احکامات پر اس طرح عمل پیرا ہونا ہے جیسا کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے مثبت عمل سے ثابت فرمایا تھا۔

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت ادارہ طلوعِ اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہوچکی ہے۔ یہ جلدیں 20X30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مطالب القرآن فی دروس الفرقان

نام کتاب	سورت نمبر	صفحات	ہدیہ
سورۃ الفاتحہ	(1)	240	300/-
سورۃ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	150/-
سورۃ البقرہ (اوّل)	(2)	500	600/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	600/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	600/-
سورۃ آلِ عمران (اوّل)	(3)	472	600/-
سورۃ آلِ عمران (دوم)	(3)	480	600/-
سورۃ النساء	(4)	870	1000/-
سورۃ المائدہ	(5)	450	600/-
سورۃ الانعام	(6)	600	700/-
سورۃ الاعراف (اوّل)	(7)	480	550/-
سورۃ الاعراف (دوم)	(7)	400	550/-
سورۃ الانفال	(8)	210	300/-
سورۃ توبہ	(9)	530	600/-
سورۃ یونس	(10)	360	450/-
سورۃ ھود	(11)	400	500/-
سورۃ یوسف	(12)	288	400/-
سورۃ الرعد، ابراھیم، الحجر	(13-14-15)	500	600/-

سورۃ النحل	(16)	334	400/-
سورۂ بنی اسرائیل	(17)	396	500/-
سورۃ الکہف، مریم	(18-19)	532	600/-
سورۂ طٰہٰ	(20)	416	500/-
سورۃ الانبیآء	(21)	336	400/-
سورۃ الحج	(22)	380	500/-
سورۃ المومنون	(23)	408	500/-
سورۃ النور	(24)	264	400/-
سورۃ الفرقان	(25)	389	500/-
سورۃ آلشعراء	(26)	454	500/-
سورۃ النمل	(27)	280	400/-
سورۃ القصص	(28)	334	450/-
سورۃ العنکبوت	(29)	388	500/-
سورۂ روم، لقمان، السجدہ	(30-31-32)	444	550/-
سورۃ الاحزاب، سباء، فاطر	(33-34-35)	570	700/-
سورۂ یٰسٓ	(36)	164	250/-
سورۃ الصافات، ص، زمر	(37-38-39)	450	550/-
سورۃ مومن، حٰمٓ سجدہ، الشوریٰ	(40-41-42)	624	700/-
سورۃ الزخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمدؐ	(43-44-45-46-47)	520	600/-
سورۃ الفتح، الحجرات، قٓ، الذاریات، الطور، النجم	(48-49-50-51-52-53)	550	650/-
سورۃ القمر، الرحمٰن، واقعہ، الحدید	(54-55-56-57)	384	500/-
اٹھائیسواں پارہ (مکمل)	(سورۃ المجادلہ تا سورۃ التحریم تک)	300	400/-
انتیسواں پارہ (مکمل)	(سورۃ الملک تا سورۃ المرسلات تک)	544	600/-
تیسواں پارہ (مکمل)	(سورۃ النبا تا سورت والناس تک)	624	700/-
شرح جاوید نامہ		800	1200/-
فہرست موضوعات مطالب القرآن فی دروس الفرقان		800	1000/-

FROM RITUAL TO SERVITUDE:

THE TRUE MEANING OF لَبَّيْكَ

AFIA FAROOQI

Assalamu alaikum, respected guests. It is a privilege to be here with you today. While I come before you perhaps not as prepared as I would like, I speak from the heart on a question that concerns billions: In the 365 days of the year, does our worship truly lead us to the destination demanded by the Quran?

The Essence of Abdiyat

The Quran does not merely demand ritual worship (ibadat); it demands servitude—abdiyat. The essence of abdiyat is establishing a society based on the demands of Allah. Originating from the roots ayn-bay-dal, this word signifies the profound relationship between master and servant. It means a believer must move beyond rituals to adopt complete submission.

The Student's Labbaik

Think of the words we hear most during Hajj: لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ. It means, "I am here, and I am at your service." Consider the relationship between a teacher and a student. A student who says "present" arrives in a clean uniform, with polished shoes, completed homework, and total focus. When that student excels, the teacher calls them their best.

Are we truly fulfilling the demands of Labbaik in our relationship with God? It requires more than verbal utterance. It demands understanding the social system of the Quran, recognizing divine attributes, and "dyeing" oneself in the color of God—molding your life's purpose to match Allah's purpose.

Creativity and Progress

As stated in the Quran (35:1), the universe demands consistent progress, innovation, and growth. It cannot stay stagnant. Therefore, as servants of Allah, our glory lies in generating new ideas, inventing new things, and creating ease for humanity. This is how the Quran saves human time and effort.

Knowledge must be used as a tool for welfare. For instance:

Finance should result in the economic betterment of all, not just personal profit.

Science (Physics, Chemistry, Geology) should lead to the discovery of resources so that their fruits reach every member of society.

Knowledge should never be a tool for exploitation; it should be transformed into genuine human welfare.

The Path to Falah

If humanity were freed from racial conflicts and class differences, we would see accelerated progress and better utilization of resources. The Quran does not teach a ritualistic worship; it teaches a form of servitude that makes life purposeful. It provides the correct direction, saves us from wasting time on failed experiments, and shows us how to achieve maximum results with optimized effort.

That is the true Falah. Thank you.

8-مذہب کشمکش حیات سے فرار سکھاتا ہے۔	دین زندگی کے حقائق کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہے۔
9-مذہب تقدیر کے بہانے انسان کو بے عمل بنا دیتا ہے۔	دین، اسے تقدیر شکن قوت عطا کر کے، حرکت و عمل کا شعلہ جوالہ بنا دیتا ہے۔
10-مذہب خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات کا نام عبادت رکھ کر انسانوں کو خود فریبی میں مبتلا رکھتا ہے۔	دین، اسے وسعتِ افلاک میں تکبیر مسلسل کا پیغام دیتا اور نظامِ خداوندی کو دنیا کے ہر نظامِ باطل پر غالب کرنے کو عبادت کی غایت بتاتا ہے۔
11- مذہب، کائنات کی ہر حسین شے پر منہ بسورنا اور نعمائے خداوندی سے اجتناب سکھاتا ہے۔	دین اعلان کرتا ہے کہ وہ کون ہے جو زیب و زینت کی ان چیزوں کو حرام قرار دے سکتا ہے، جنہیں اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے (القرآن)۔
12-مذہب ہر جدت (نئی چیز) کو گناہ قرار دینے تک لے جاتا ہے۔	دین کہتا ہے کہ کل یوم ھو فی شان۔ زندگی کے تقاضے ہر دور میں بدلتے رہتے ہیں اس لئے جدت طرازی عین تقاضائے حیات ہے۔
13-مذہب اپنے پیغام کے حق کی دلیل میں اسے اسلاف کا مسلک قرار دے کر بطور سند پیش کرتا ہے۔ ان کی طرف سے پیش کردہ عقائد پر ایمان بلاعلم و دلیل لانے پر زور دیا جاتا ہے۔	دین انسان کی علمی اور عقلی صلاحیتوں کو جلا دینے کا موجب اور اسلاف کے مسالک کی بلا دلیل پیروی سے منع کرتا ہے۔ وہ اپنے ہر دعویٰ کو دلیل اور برہان سے پیش کرتا ہے اور عقل و تدبر سے کام لینے کی تاکید بھی۔
14-مذہب کا تصور مفاد پرست انسانوں کے ذہن کا تراشیدہ ہے۔ ان میں سبھی ملوکیت (فرعون)، سرمایہ داری (قارون) اور مذہبی پیشوائیت (ہامان) کے نمائندے باہمی اشتراک سے دوسروں کی محنت سے کمائی پر عیش کی زندگی بسر کرنے کے لئے ہر جائز و ناجائز حیلے تراش کر مذہب میں شامل کر لیتے ہیں۔ خود مترفین بن کر دوسروں کو محکوم بنا لیتے ہیں۔	دین مذہب کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کو آزادی کی دعوت دیتا ہے کہ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے انسان کو اپنا محکوم اور اطاعت گذار بنائے۔ اطاعت صرف خدا (اس کے قوانین) کی کی جا سکتی ہے اور یہ قانون سب کے لئے برابر ہونے کی وجہ سے تمام نوع انسانی کے لئے مساوات کا پیغام رکھتا ہے۔
15-مذہب اس راستے کو کہتے ہیں جو انسانوں کا وضع کردہ ہو۔	دین اس قانون یا نظام کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہو۔

اس لئے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآن نے نوعِ انسانی کی ہدایت کے لئے دین ہی کو پیش کیا ہے اور اسے ہی اسلام کا نام دیا ہے۔ لہٰذا مسلم مذہب کی نہیں دینِ اسلام کی اطاعت کرتا ہے۔

☆☆☆

(اشاعت کے لئے محترم ڈاکٹر انعام الحق نے تعاون کیا ہے۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

PUBLISHED SINCE 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL.NO. 28

VOL.79

ISSUE

05

Monthly

TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan

Phone. 042-35714546

E-mail:idarati@gmail.com Web: www.toluislam.org

www.facebook.com/idaratolueislam1/ www.youtube.com/idaratolueislam